دارالمصنفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۱۸۷ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ مطابق ماہ اپریل ۲۰۱۱ء عدد ۴

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر: ۱۹

شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)

پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

فہرست مضامین

شذرات

عرب دنیا اس وقت انقلابی تبدیلیوں سے گذر رہی ہے۔ وہاں پائے جانے والے حالات کے پس منظر میں اس طرح کے انقلاب کا انتظار تو بہت پہلے سے تھا لیکن یہ اتنا اچانک اور اس انداز میں آئے گا اس کا اندازہ کسی کو بھی نہیں تھا۔ امریکہ، یوروپ اور اسرائیل کے سراغ رساں بھی اس انقلاب کی چاپ نہ سن سکے۔ ظلم، نا انصافی، افلاس، افراط زر، غذائی اشیاء کی گرانی، بے روزگاری، آمریت، ایمرجنسی، بنیادی انسانی حقوق سے محرومی، واقعہ یہ ہے کہ اس خطہ کے باشندوں کی محرومیوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ ظلم و جبر کی یہ سیاہ رات نصف صدی سے زیادہ عرصہ سے اس خطہ پر اس طرح محیط تھی کہ جمہوریت، خود اختیاری، آزادی رائے اور حریت فکر کی صبح امید کا تصور بھی مشکل تھا۔ بادشاہوں کو ہٹا کر اور بادشاہوں کو ختم کر کے جمہوریت اور جماہیریہ کے خوش نما نام پر برسر اقتدار آنے والوں نے ظلم و استحصال میں بادشاہوں کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ انقلاب کے لیے حالات تیار تھے اور بارود کے ڈھیر میں محض ایک چنگاری کی ضرورت تھی۔ انقلاب اچانک نہیں آتے بلکہ مختلف اسباب و عوامل کی کارفرمائی کے نتیجہ میں ایک لمبے عرصہ میں ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں جن میں انقلاب کی فصل اگتی اور پک کے تیار ہوتی ہے۔ اور جب ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں تو کوئی معمولی واقعہ بھی بارود کے ڈھیر میں چنگاری کا کام کرتا ہے۔ ۱۷ دسمبر ۲۰۱۰ کو سیدی بوزید میں بوعزیزی کی خودسوختگی نے یہی کام کیا۔ انقلاب کی یہ لہر جنگل کی آگ کی طرح پہلے پورے تیونس میں پھیلی اور پھر اس نے پورے عالم عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ لیکن تیونس کا سانحہ صرف زین العابدین بن علی کی بداعمالیوں کا نتیجہ نہیں تھا۔ یہ دراصل ایک متوازی کلچر تھا جس نے پورے معاشرہ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ اس کا خمیر ظلم، ڈکٹیٹرشپ، مذہب سے دوری، بے ایمانی اور کرپشن سے اٹھایا گیا تھا اور زین العابدین کے زمام اقتدار سنبھالنے سے برسوں پہلے بورقیبہ کے زیر سایہ زمین میں گہرائی تک اپنی جڑیں پھیلا چکا تھا۔ اسی طرح مصر میں عوام کے کندھوں پر صرف حسنی مبارک کے نامبارک دور کی بداعمالیوں کا بوجھ نہیں تھا۔ نیویارک ٹائمز نے حسنی مبارک کو دور حاضر کے فرعون کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ جمال عبدالناصر اور انور سادات کے عہد نامسعود کے بغیر جب نحن ابناء الفراعنہ کا نعرہ لگایا گیا، دور جدید کے اس فرعون کی پیدائش ممکن نہیں تھی، یہی حال شام کا ہے جہاں بشار الاسد سے پہلے حافظ الاسد نے ۲۹ سال حکومت کی۔ ۱۹۸۲ میں حماۃ میں اسلام پسندوں کا قتل عام براہ راست حافظ الاسد کی نگرانی اور اس کے بھائی رفعت الاسد کی قیادت میں کرایا گیا۔ اس جانکاہ حادثہ میں مقتولین کی تعداد سترہ ہزار سے چالیس ہزار تک بتائی جاتی ہے۔ سید قطب اور ان کے جلیل القدر رفقاء سے لے کر آج تک ان آمروں کی ہوس اقتدار کی بھینٹ چڑھنے والوں کا ایک لامتناہی سلسلہ

ہے اور سرفروشی کی یہ روایت اسی آن وبان سے قائم ہے۔

مصر کے عوام نے میدان التحریر میں ایک نئی تاریخ رقم کی۔ یہ عوامی عزم اور حوصلہ کا ایک بے مثال مظاہرہ تھا۔ کسی واضح قیادت کے فقدان کے باوجود جس منظم اور پرامن انداز میں یہ جدوجہد جاری رہی اور بالآخر کامیابی سے ہم کنار ہوئی، اسے غیر معمولی ہی کہا جاسکتا ہے۔ یہ اپنے طرز کی پہلی عوامی تحریک تھی جس میں جدید ذرائع ابلاغ خصوصاً انٹرنٹ کا وسیع پیمانہ پر بڑے موثر انداز میں استعمال کیا گیا۔ خاص بات یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے ہر طرح کی اشتعال انگیزی کے باوجود یہ مہم مکمل طور پر پرامن رہی۔ حسنی مبارک ۱۱ فروری کو مستعفی ہوا اور مسلح افواج کی سپریم کونسل کو اختیارات منتقل ہوگئے۔ لیکن اس واقعہ پر ڈھائی مہینہ کا عرصہ گذر جانے کے بعد بھی مصر کا منظرنامہ ابھی واضح نہیں ہے۔ مظاہروں کے دوران فوج نے حسنی مبارک کا آلۂ کار بننے سے احتراز کیا تھا۔ اب بدلے ہوئے حالات میں فوج کی سوچ اور اس کا طرز عمل بہت واضح نہیں ہے۔ اصلاحات کے لیے ریفرنڈم اور حسنی مبارک اور اس کے بیٹوں کی گرفتاری اور ان کے خلاف مقدمات چلائے جانے کے اعلانات کے باوجود مصر کا مستقبل ابھی امید وبیم کے درمیان معلق ہے۔ مسلح افواج کے اعلیٰ ترین کمانڈر جن کے ہاتھ میں عملاً ملک کی زمام اقتدار ہے ایک ایسے شخص کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں جو تبدیلی کو پسند نہیں کرتا اور مصر میں اس وقت ضرورت یکسر تبدیلی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصری معاشرہ میں مستقبل کے حوالہ سے بڑی بے چینی پائی جاتی ہے۔ اس بے چینی کا بڑا واضح اظہار ۱۹ اپریل کو ہوا جب کرفیو کی خلاف ورزی کرتے ہوئے عوام نے دوبارہ میدان التحریر کا رخ کیا۔ یہ محض اتفاق نہیں کہ اس موقع پر عوام "طنطاوی مبارک ہے اور مبارک طنطاوی ہے" کے نعرے لگا رہے تھے۔ فوج نے نہتے اور پرامن مظاہرین کے ساتھ جس بربریت کا سلوک کیا، اس سے فوج کے منصوبوں کے بارے میں مزید شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ عملاً حکومت کے ڈھانچے اور اس کی انتظامیہ میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ایمرجنسی جو کسی نہ کسی انداز میں ۱۹۵۸ سے مسلط ہے ابھی تک باقی ہے البتہ ستمبر میں امکانی انتخابات سے پہلے اس کے اٹھالینے کے وعدہ ہے۔ امید کرنی چاہیے کہ مصری عوام کی قربانیاں رائگاں نہیں جائیں گی اور وہ مکمل کامیابی سے کم تر کسی چیز پر راضی نہیں ہوں گے۔

آمریت کے خلاف تیونس اور مصر میں عوام کی کامیاب جدوجہد سے متاثر ہوکر عالم عرب کے طول وعرض میں ایسی تحریکوں کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا اور مدت سے دبے ہوئے عوامی غم وغصہ کا لاوا سا ابل پڑا۔ لیکن مختلف اسباب وعوامل کے زیر اثر یہ تحریکیں ابھی کامیابی کی منزل سے دور ہیں اور حکومتوں کی طرف سے شدید مزاحمت کا سامنا کررہی ہیں۔ اس کے نتیجہ میں فوجیں اپنے ہی عوام پر گولیاں برسا رہی اور ہوائی جہاز اور ٹینک سے حملہ کررہی

ہیں۔ یمن میں بظاہر خلیج تعاون کونسل کی کوششوں سے صدر عبداللہ صالح ایک مہینہ کے اندر اپنے نائب کو اقتدار منتقل کرنے پر آمادہ ہوگئے ہیں۔ یمنی اپوزیشن اس حل سے مطمئن نظر نہیں آتی۔ اس سلسلہ میں مزید تفصیلات ابھی دستیاب نہیں ہیں۔ یمن سے بھی مشکل معاملہ لیبیا اور شام کا ہے، ان دونوں ملکوں میں فوج قبائلی اور نظریاتی اسباب کی بنا پر حکمرانوں کی وفادار ہے اور اسے نہایت بے دردی سے مخالفین کو کچلنے کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔ لیبیا میں دو مہینہ سے زیادہ عرصہ پر محیط اپوزیشن اور قذافی کے درمیان کشمکش ابھی فیصلہ کن مرحلہ سے دور ہے۔ ملک کا دوسرا بڑا شہر بنغازی اور اس کے آس پاس کے علاقے مخالفین کے قبضہ میں ہیں اور فرانس نے ان کی حکومت کو تسلیم بھی کرلیا ہے۔ کئی دوسرے عسکری لحاظ سے اہم شہروں کے لیے حکومت کی وفادار فوجوں اور مخالفین کے درمیان خوں ریز تصادم جاری ہے۔ وہاں کے معاملات میں ناٹو کی سرکردگی میں مغربی ممالک کی دخل اندازی نے صورت حال کو مزید خراب کردیا ہے۔ اقوام متحدہ کے ایک ریزالیوشن (نمبر ۱۹۷۳) کے تحت شہریوں کی حفاظت کے مقصد سے تمام ضروری اقدامات کی اجازت دی گئی تھی۔ اس کا مطالبہ باغیوں اور عرب لیگ کی طرف سے بھی کیا گیا تھا۔ اس طرح لیبیا میں بیرونی مداخلت کی راہ ہموار ہوئی۔ چین، روس، ہندوستان اور بعض دوسرے ممالک اس کے مخالف تھے اور ووٹنگ میں حصہ نہیں لیا۔ مغرب دراصل اپنے مقاصد کی تکمیل میں سرگرم ہے اور اس بہانے کو خطہ میں اپنے اثرات بڑھانے کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے، ایک مہینہ سے زیادہ کی شدید بمباری اور اس کے نتیجہ میں وسیع پیمانہ پر تباہی کے باوجود اپوزیشن اب بھی قذافی کی وفادار فوجوں کے دباؤ میں ہے۔ معاملات سلجھنے کے بجائے اور الجھتے جارہے ہیں۔ عام اندازہ کے مطابق اب تک دس ہزار لوگ اس جنگ کی نذر ہوچکے ہیں۔ لیبیا میں امریکی صدر کی طرف سے ڈرون بمبار طیاروں کے استعمال کی منظوری اور بنغازی میں کچھ برطانوی فوجی ماہرین کی آمد نے صورت حال کی پیچیدگی میں مزید اضافہ کردیا ہے۔ واضح ہے کہ مغربی ممالک لیبیا کے عوام کی حفاظت کے بجائے حکومت کی تبدیلی کے لیے کام کررہے ہیں۔ اسی طرح شام کی صورت حال بھی بہت الجھی ہوئی ہے۔ اپوزیشن کے دباؤ میں اور کچھ دنیا کو دکھانے کے لیے ایمرجنسی کا خاتمہ تو کردیا گیا لیکن اس کے بعد بھی مظاہرین کے خلاف فوج نے نہایت بے رحمی اور سفاکی کا سلوک روا رکھا ہے۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق اپوزیشن کے بعض اہم مراکز کے خلاف ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے ساتھ فوج نے ایک بڑا حملہ کیا ہے اور عوام کے خلاف بھرپور طاقت کا استعمال کیا جارہا ہے۔ لیکن اب شاید عوامی مزاحمت کو کچلنا ممکن نہیں رہ گیا ہے۔ اس طرح یوم حساب کو کسی قدر موخر تو کیا جاسکتا ہے لیکن یکسر ٹالا نہیں جاسکتا۔ شام اور دوسرے ممالک میں جہاں آمریت کے خلاف عوام اٹھ کھڑے ہوئے ہیں وہاں ظلم و جبر کی شب تار کے پیچھے آزادی کی تابناک سحر کے آثار صاف نظر آرہے ہیں۔

مقالات

عہدِ نبوی ﷺ میں مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے تعلقات

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

تمہید و پس منظر: تاریخ و ثقافت، امام ابن خلدون (عبدالرحمٰن بن محمد م ۱۴۰۶/۸۰۴) کے فلسفۂ معاشرت میں تمام انسانی معاشروں کے مختلف الجہات عطایا کا حسین ثمرہ اور گوناگوں خدمات کا جلیل مجموعہ ہے۔ اس میں پیشرو اقوام و ملل کا اسی قدر حصہ ہوتا ہے جس قدر معاصر لوگوں اور ملتوں کا اور جانشین امتیں اس میں اپنی بساط کے مطابق اضافہ کرتی جاتی ہیں۔ دین اسلام کی ساخت، تعمیر اور ارتقاء میں حضرت آدمؑ کے عہد اولین سے ان کے جانشین انبیاء کرامؑ اور ان کی ملتیں اپنے اپنے زمانے میں اضافے کرتی یا تاریخ و ثقافت کے دھاروں کو ترقی معکوس اور زوال کی طرف موڑتی رہی تھیں۔ علاقائی، عصری اور محدود تاریخی و ثقافتی عطا و ارتقاء کے ساتھ ساتھ عالمی، آفاقی اور بیکراں اقدار کا بھی ارتقا ہوتا رہا۔ ختم نبوت کے ساتھ ساتھ جس طرح ادارۂ رسالت کی تکمیل ہو جانے کے سبب سلسلۂ انبیاءؑ تمام ہوا اسی طرح اقدار ثقافت کا عروج کامل ہوا۔ رسالت محمدیؐ کے ساتھ اسلامی تاریخ و ثقافت کا عالمی، ہمہ گیر اور اصولی ارتقاء اصول و اقدار کی حد تک پورا ہو گیا اب صرف جزوی اضافوں، علاقائی عطیوں، فنی تبدیلیوں اور قومی ثمروں کا سلسلہ جاری ہو سکتا ہے اور فی الواقع جاری ہے۔ (بحث کے لیے ملاحظہ ہو: خاکسار کی کتابیں: ۱- مکی اسوۂ نبوی، دہلی ۲۰۰۴ء کراچی ۲۰۰۶ء، ۲- عہد نبوی کا تمدن، نئی دہلی ۲۰۱۰ء نیز مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء، دہلی ۲۰۰۶ء)

سابق صدر و ڈائریکٹر ادارہ علوم اسلامیہ، شاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

اس عالمی تناظر اور بین الاقوامی پس منظر میں جزیرہ نمائے عرب بالخصوص قریش مکہ کی تاریخ وثقافت کا ایک خاص امتیاز ہے۔ وہ ملت ابراہیمی - اسماعیلی کے وارث وامین اور پیروکار تھے اور اسی کے ساتھ ملت ابراہیمی - اسحاقی کی وراثت وثقافت سے بھی واقف تھے بلکہ ان میں اشتراک و تفاعل بھی رکھتے تھے۔ کیونکہ ملت اسماعیلی اور ملت اسحاقی دونوں کا سرچشمہ ملت ابراہیمی ہی تھا۔

ان دونوں کی اصل تعلیمات واقدار سے عرب اقوام اور قریش مکہ نے جس طرح انحراف کیا تھا اسی طرح ملت اسحاقی کے پیروؤں نے بھی کیا تھا۔ ملت ابراہیمی کے دائرے کے باہر عربوں اور ان کے سرخیل قریش مکہ نے اپنے قرب وجوار کے ممالک واقوام سے گوناگوں تعلقات استوار کر رکھے تھے، اور ان کے ذریعہ وہ دوسری اقوام، ممالک اور مذاہب سے نہ صرف آشنا ہو گئے تھے بلکہ ان سے روابط رکھتے تھے۔ دین وملت کی مشترکہ اقدار واعمال کے علاوہ انسانی معاشرت کی مماثلت اور بعض جہات میں یکسانیت ان کی تقدیری وجوہ تھیں۔ ان کو مزید پروان چڑھانے میں تجارتی تعلقات نے ہمہ گیر کردار ادا کیا تھا۔ معاشرت ومعیشت، دین و مذہب، تمدن وثقافت غرض کہ ہر انسانی دائرہ میں دوطرفہ لین دین، تفاعل وتعاون اور تضاد و تصادم کا مسلسل عمل جاری تھا۔ (خاکسار کی کتاب اسلامی احکام کا ارتقاء کے اولین ابواب کے علاوہ دوسرے ابواب میں اس تسلسل عمل وانحراف پر بحث کی گئی ہے)

بعثت نبویؐ سے صدیوں قبل حضرات ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے مقدس ہاتھوں سے تعمیر کعبہ اور اقامت حج ایک عہد آفریں ہی نہیں "ثقافت آفریں" واقعہ تھا جس کے دوررس نتائج بڑے ہمہ گیر، بہت گوناگوں اور نہایت مہتم بالشان تھے۔ یہ واقعہ صرف ایک دینی اور محدود معنوں میں مذہبی ادارہ کے استوار وارتقاء کا باعث ہی نہیں بلکہ انسانی معاشرت کے کلی تفاعل کی وجہ بھی بنا۔ دینی فریضہ کی ادائیگی نے مرکز کعبہ کی طرف اقوام عرب وعجم کو کھینچا تو اس کے جلو میں تجارت واقتصادیات کا ایک لاؤ لشکر ساتھ لگ لیا مذہبی اور معاشی ثمرات نے پوری معاشرت عرب وعجم کو متاثر کیا اور عربوں کو عجمی تمدنوں سے آگاہ کیا اور اہل عجم کو عرب ثقافت سے۔ خود اندرون جزیرہ نمائے عرب جنوب وشمال کے عرب قبائل واقوام کے درمیان ہجرت، سکونت،

تجارت وغیرہ کی بنا پر ایک سلسلہ ثقافت چلا اور سامی عربوں نے حدود عرب پار کر کے غیر سامی اقوام و ملل سے دوطرفہ تعلقات استوار کیے جن کی بنیاد پر قرب و جوار کے ملکوں میں عربوں کی آبادکاری کا عظیم الشان اور وسیع الجہات نتیجہ پیش آیا۔ معاشرتی اختلاط اور عرب و عجم کے امتزاج کا یہ معاملہ بھی دوررس تھا۔ یمن و شام کی عربی تجارت جسے قرآنی زبان میں ”رحلۃ الشتاء والصیف“ بہت معنی خیز انداز میں قرار دیا گیا ہے، صرف ان دونوں تک محدود نہ تھی، یمن کے واسطہ سے وہ جنوب کے ممالک و اقوام تک وسیع ہوگئی تھی جس کے سبب عربوں نے برصغیر کے مغربی سواحل کے علاقوں اور ان کے پرے سری لنکا (سیلون/سراندیپ) اور دوسرے جزائر میں اپنے قدم اس طرح جمالیے تھے کہ ان کے درمیان بستیاں بسالی تھیں۔ برصغیر اور اس کے قرب و جوار کے ممالک و اقوام کے افراد و طبقات نے جزیرہ نمائے عرب کے علاوہ ایران و عراق وغیرہ سے روابط استوار کیے تھے۔ (اسلامی احکام کا ارتقاء، باب حج و عمرہ؛ سورہ ایلاف کی تفسیر: طبری، ابن کثیر اور متعدد مفسرین کی کتب؛ ابن اسحاق/ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، قاہرہ ۱۹۳۷ء؛ اس کی شرح الروض الانف (عبدالرحمٰن بن محمد سہیلی) قاہرہ؛ نیز مقالہ خاکسار ”سیرت ابن اسحاق/ابن ہشام کا تنقیدی مطالعہ“ سیرت سمینار اعظم گڑھ)

اقوام و ممالک اور ملل و امم کے ان دوطرفہ تعلقات و روابط نے معاشرت و معیشت اور ثقافت کو خوب متاثر کیا تھا۔ ملت ابراہیمی حنیفی میں توحید خالص میں شرک کا عنصر بت پرستی کے ذریعہ بعثت نبویؐ سے کئی صدیوں پہلے عمرو بن لحی خزاعی نے اپنے شامی سفر کے بعد ہی داخل کیا تھا۔ آتش پرستی کا تصور اور عناصر فطرت کی پرستش کا عمل و نظریہ، ایران و عراق اور مصر و شام کے عناصر انحراف سے ہی آیا تھا۔ پیروان ملت حنیفی نے توحید خالص، عقیدۂ رسالت و آخرت اور دوسرے عقائد کے علاوہ بہت سے اقدار و اعمال سے دوسروں کو روشناس کیا تھا۔ تجارت و معیشت کے جلو میں سیاست کی جلوہ گری نے حبشہ کے رومی عیسائی عناصر کو پہلے یمن میں اقتدار بخشا پھر ایرانی آتش پرستوں کو۔ مرکز ثقافت و دین۔ خانہ کعبہ۔ پر عیسائی ابرہہ الاشرم کا حملہ صرف ایک دینی مرکز کے انہدام کی کارروائی ہی نہیں، تہذیبی تسلط کی کارروائی تھی اور اس کی معجزاتی شکست ملت ابراہیمی۔ اسماعیلی کی حفاظت و فوقیت کے لیے رب العالمین کی تکوینی تقدیر کی کارروائی تھی اور

رسول اکرمؐ کی بعثت آخریں اور رسالت آفاقی نے اس کی تکمیل کر کے اسلامی ثقافت کو معراج کمال پر پہنچا دیا۔ (بخاری، جامع صحیح / ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، مکتبہ دارالسلام ریاض ۱۹۹۷ء، ۶/۶۵۲ و مابعد بالخصوص باب قصۃ خزاعۃ ۲/۶۶۹ و مابعد، بحث کے لیے مقالہ خاکسار امام ابن اسحاق۔ حضرت شاہؒ کے اہم ترین ماخذ سیرت، نواں شاہ ولی اللہ سیمینار، ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی، ۵-۶/ مارچ ۲۰۱۰ء؛ نیز سورۃ الفیل کی تفسیر اور عرب کے مذاہب پر جواد علی کی کتاب تاریخ العرب قبل الاسلام وغیرہ کے مباحث)

عرب ثقافت کا سارا ورثہ اور ملت ابراہیمی - اسماعیلی کا کل اثاثہ حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی کو ترکہ میں عطا کیا گیا۔ آپ مشرکین قریش کے درمیان پیدا ہوئے اور پروان چڑھے، ان کی صحیح روایات ابراہیمی و اسماعیلی کے وراثت دار امین بھی بنے۔ مکہ مکرمہ اور قرب و جوار کے اطراف میں آباد حبشی افراد و طبقات سے اور ان کے سماجی، معاشی، تمدنی اور تہذیبی اقدار و اعمال سے واقفیت پائی۔ احناف / حنیفیت کی تحریک کے علم برداروں سے مکہ مکرمہ اور طائف وغیرہ میں اور یہود و نصاریٰ سے دین و ثقافت کے بہت سے امور جانے پہچانے۔ بعض احناف جیسے حضرت ورقہ بن نوفل اسدی قریشیؓ اور خالص عیسائی، نصرانی افراد جیسے حضرت عداسؓ وغیرہ سے تعلقات و روابط استوار کیے۔ تجارت یمن و شام کے اسفار میں خاص کر اور دوسرے اسفار عرب میں بھی یہود و نصاریٰ کے متعدد طبقات و قبائل اور افراد کے رابطہ میں آئے۔ قریش مکہ اور ان کے تجارتی طبقات و افراد نے مختلف مذاہب کے پیروکاروں سے تجارتی، معاشرتی اور تہذیبی تعلقات بنا رکھے تھے۔ ایران و خراسان کے آتش پرستوں، بدھ مت کے ماننے والوں، ہندو سیلون کے ہندو مذہب کے پیرووں، عراق و شام اور مصر وغیرہ کے یہود و نصاریٰ اور صابئین اور دوسرے مذاہب و ادیان کے ماننے والوں سے ان کے تعلقات و روابط تھے اور آپؐ کے بھی ان سے رشتے تھے۔ (اسلامی احکام کا ارتقاء، مکی اسوۂ نبوی وغیرہ کے مباحث کے علاوہ ابن اسحاق / ابن ہشام، جلد اول کے مباحث متعلقہ، خاکسار کی آئندہ کتاب ''عہد نبوی میں تجارت'' پر مفصل بحث ہے۔ کتب سیرت بالخصوص علامہ شبلی نعمانیؒ، سیرۃ النبیؐ، اعظم گڈھ ۱۹۷۳ء، ۱/۱۸۵ و مابعد: بحث بر تجارت نبویؐ)

بعثت نبویؐ اور رسالت محمدیؐ کے بعد رسول اکرمؐ اور آپ کے صحابہ کرام کے ان تمام مذاہب و ادیان کے پیرووں سے تعلقات نہ صرف قائم و استوار رہے بلکہ ان میں ایک دینی تہذیبی اور معاشرتی توسیع بھی آئی جو ناگزیر تھی۔ ناگزیر اس بنا پر نہیں تھی کہ معاشرت و ثقافت کے مختلف میدانوں میں فطری لحاظ سے مختلف مذاہب کے پیرووں سے رشتے استوار رکھنے تھے، بلکہ اس لیے تھی کہ رسول اکرمؐ اور آپؐ کے صحابہ کرام کو دین اسلام کے آخری، کامل ترین مذہب و شریعت کی دعوت ان کو دینی تھی اور ان کی دنیاوی و اخروی فلاح و بہبود کی فکر کرنی تھی بالکل اسی طرح جس طرح آپؐ کو قریش اور عربوں کی اصلاح کرنی تھی، اس مختصر مقالے میں بحث و تمحیص کے لیے یہ طریقہ موزوں لگتا ہے کہ مختلف مذاہب کے پیرووں سے تعلقات و روابط کے جائزے کی بجائے معاشرت کے مختلف میدانوں اور پہلوؤں کے اعتبار سے ان کا تجزیہ کیا جائے لہذا حسب ذیل عناوین کے تحت یہ بحث پیش کی جاتی ہے: ۱- دین و شریعت کے باہمی روابط، ۲- معاشرتی اور سماجی تعلقات، ۳- تجارتی اور اقتصادی لین دین، ۴- سیاسی اور تنظیمی معاملات میں اشتراک و تعاون، ۵- تمدنی اور تہذیبی اشتراک۔ آخر میں ایک مختصر تنقیدی تجزیہ میں ساری بحث کو سمیٹا جائے گا اور عصر حاضر کے لیے ہی نہیں تمام زمانوں کے تمام مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے لیے ان رہنما اصول و خطوط کی نشاندہی کی جائے گی جو رحمۃ للعالمینؐ کے اسوہ کامل سے واضح ہوتے ہیں اور جن سے اپنے ناواقف اور اغیار اعراض کرنے والے بن جاتے ہیں۔

دین و شریعت کے باہمی روابط: عہد نبوی میں دین و شریعت کے دوسرے مذاہب اور ان کے پیرووں سے روابط کی دو ممتاز اور اہم جہات نظر آتی ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ نے مختلف ادیان کے پیروکاروں کو آخری دین و شریعت کی دعوت دی اور ان کی تعلیم و تربیت کی، دوسرے یہ کہ مختلف مذاہب کے پیروکاروں اور ان کے دینی اقدار و اعمال سے خود کیا کچھ سیکھا اور ان کو دین و شریعت کے سانچے میں ڈھالا۔ یہ رسول اکرمؐ اور اہل ایمان کی داعیانہ صفات و مساعی کے ضمن میں آتا ہے کہ وہ سب تبلیغ و تعلیم دین اور تہذیب نفس کے لیے مامور تھے۔ مدعو کی حیثیت سے مختلف ادیان و مذاہب کے پیرووں کی رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ سے اخذ و قبول کی ایک دوسری جہت بھی ہے۔ (ابن اسحاق / ابن ہشام میں دعوت نبوی کے مباحث؛ شبلی ۱/ ۲۰۲

ومابعد: عربوں ریہود، حبشہ کے عیسائی حکمراں وباشندوں کے علاوہ سلاطین وملوک کے نام گرامی نامے؛ واضح احکام نہ ملنے کی صورت میں اہل کتاب کی شریعت پر عمل پسند فرماتے تھے: اسلامی احکام کا ارتقاء بحوالہ بخاری وغیرہ بالخصوص بحث اول: ۱-۳۶)

آپؐ اور امت اسلامی کے اولین اکابرؓ کا یہ فرض منصبی تھا کہ سب کو اسلام ودین کی دعوت اور شریعت کی تعلیم دیں۔ لہٰذا منطقی اور لازمی طور سے رسول اکرمؐ نے بطور پیغمبر آخر الزماں اور صحابہ کرامؓ نے بطور امت داعی تمام مذاہب کے پیروؤں کو اسلام کی طرف بلایا۔ مکہ مکرمہ میں مشرکین عرب رقریش مکہ اور دوسرے باشندوں کو اسلام وشریعت کی دعوت دینے کا معاملہ بہت صاف اور آسانی سے سمجھ میں آنے والا ہے۔ امام سیرت ابن اسحاق (محمد بن اسحاق بن یسار مطلبی م ۱۵۰/۷۶۷ء) کے مطابق آپؐ نے تمام قریشی اکابر وعوام کو اسلام کی طرف بلایا، جبکہ آپؐ کے صحابہؓ مبلغین نے اپنے اپنے گھرانوں، حلقوں اور احباب میں دین اسلام کی دعوت دی قریش مکہ کے علاوہ قرب وجوار کے قبائل اور امصار ودیار کے افراد وطبقات نے اسلام قبول کیا تو دعوت نبویؐ اور تبلیغ صحابہؓ ہی پر قبول کیا۔ ان میں جنوب وشمال اور مشرق ومغرب کے تمام قبائل عرب کے لوگ شامل تھے، یہ دوسری بات ہے کہ دعوت اور اس کی قبولیت کا معاملہ مرحلہ وار اور مختلف اوقات وادوار میں پیش آیا۔ مکی دور بنیاد ونہاد میں تمام بطون قریش میں اسلام کی دعوت مقبول ہوچکی تھی، مکہ کے دوسرے قبائل واقوام میں بھی اسی طرح اسلام کی دعوت دی گئی اور قبول کی گئی۔ ان میں بنو اسد رخزیمہ، بنوغنی، بنو ودان وغیرہ کے عرب مشرک افراد کے علاوہ احناف ونصاریٰ میں حضرات ورقہ بن نوفلؓ وعداسؓ، اہل حبشہ اور بعض دوسرے عجمی شامل تھے۔ بنو غفار واسلم، اوس وخزرج یثرب، ہوازن وثقیف طائف شمالی قبائل کے افراد مکہ مکرمہ کے بیرونی شمالی قبائل تھے تو جنوبی عرب کے قبائل کی نمائندگی، بنو اشعر کے ابو موسیٰ اشعری وغیرہ، بنو دوس کے عمرو بن طفیل وغیرہ، جنوبی قبائل کے افراد تھے۔ مکی عہد میں جنوبی عرب کے یمن کے نصاری خاص کر اہل نجران اور حبشہ کے شاہ نجاشی اور ان کے اہل ملک سے دینی روابط کا معاملہ بھی اہم ترین ہے۔ مشرقی قبائل میں عبدالقیس کے حضرت الاشج اور ان کے خاندان والے اور ان کے علاقہ وقلعہ جواثی کے تمام باشندگان اور اہل عمان وبحرین وغیرہ تھے، مدنی دور حیات اور عہد تبلیغ میں تمام جزیرہ نمائے عرب

کے قبائل وبطون کو دعوت دی گئی اور انہوں نے بالآخر قبول بھی کر لی۔ عرب کے دائرے کے باہر رسول اکرمؐ نے روم وایران کے شہنشاہوں، مصر وحبشہ کے سلطانوں اور بعض دوسرے غیر مسلم حکمرانوں کو دعوتی فرامین لکھے۔ (مفصل بحث کے لیے کتاب خاکسار ''عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت'' دہلی ۱۹۸۵ء؛ نقوش رسول نمبر لاہور ۱۹۸۴ء کا باب دوم اور متعدد کتب سیرت)

معاشرتی اور سماجی تعلقات: سماج اور معاشرت کا میدان انسانی روابط وتعلقات کے لحاظ سے وسیع ترین بھی ہے اور ہمہ گیر بھی۔ اس میں شامل تمام باتوں کا احاطہ کرنا خاصا مشکل کام ہے کہ وہ زندگی کے تمام شعبوں کو محیط اور ان پر حاوی ہیں۔ ان میں عام طور سے کھانا پینا، پہننا اوڑھنا، ساتھ ساتھ بلکہ ایک ہی گھر اور محلّہ میں سکونت رکھنا، آپس میں شادی بیاہ کرنا، تقریبات شادی وغم میں شرکت کرنا، عیادت وتعزیت اور مواسات انسانی کے دوسرے شعبوں میں ساتھ دینا شامل ہے، ان وسیع ہمہ گیر روابط معاشرتی کا مختلف عناوین اور سرخیوں کے تحت مختصر مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔ (مفصل بحث کے لیے ''عہد نبوی کا تمدن''، مختلف ابواب: مقالہ خاکسار ''عہد نبوی کا خاندانی نظام-قرآنی تعلیمات کا مظہر''، ادارہ علوم القرآن علی گڑھ، سمینار ۲۰۱۰ء)

خانگی معاشرت: مکی عہد میں بالخصوص اور مدنی دور میں بھی کمتر درجے میں یہ معاشرتی حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ مسلمان اور کافر/غیر مذہب کے افراد وطبقات، مشترکہ خاندان کے ارکان ہونے کے سبب ساتھ ساتھ بود وباش رکھتے تھے۔ ان میں سے صاحبان استطاعت ومال جو بالعموم سربراہ خاندان اور اکابر قبیلہ ہوتے تھے اپنے ماتحتوں، فرزندوں، دختروں، غلاموں اور موالی وغیرہ کے کھانے پینے اور رہائش وآرائش کا انتظام کرتے تھے۔ بالعموم ان مربی وصاحب استطاعت افراد واکابر کا تعلق مذہبی ودینی لحاظ سے مشرک/کافر/غیر مسلم طریقے سے ہوتا تھا اور یہ بھی کہ مسلمان اور صاحب ایمان افراد واکابر نے اپنے غیر مسلم وکافر رشتہ داروں اور ماتحتوں کی کفالت کی۔ (دیکھیے مذکورہ بالا دونوں کتاب ومقالہ؛ طبری، تاریخ طبری، مرتبہ محمد ابن الفضل ابراہیم، قاہرہ ۱۹۶۱ء، ۳۱۲/۲ ومابعد: امام طبری کی بیشتر روایات ابن اسحاق کی کتاب سیرت کے روایت/نسخہ سلمہ بن الفضل سے ان کے شیخ ابن حمید پر مبنی ہیں)

مشرک/غیر مسلم اکابر کی کفالت اہل ایمان: بعثت نبویؐ سے قبل رسول اکرمؐ اور بہت

سے صحابہ کرامؓ وصحابیاتؓ کی کفالت ان کے اکابر نے مشترکہ خاندان اور قبائلی روایات کے مطابق کی تھی جو تمام انسانی معاشروں اور سماجی اکائیوں کا عالمی اور آفاقی قانون کفالت اور دستور پرورش و پرداخت تھا۔ نبوت کے عہد میں مکی، مدنی اور دوسرے قبائلی اکابر خاندان بالخصوص والدین، اجداد اور اعمام وعمات نے اختلاف مذہب کے باوجود اسے جاری رکھا۔ یہ قبائلی عصبیت اور عرب مروت کا مظاہرہ تھا جو ہر حال میں اپنے افراد خاندان اور ارکان قبیلہ کی کفالت وحمایت کا پابند تھا۔ رسول اکرمؐ کے اعمام خاص کر زبیرؓ وابو طالب اور عباسؓ وحمزہؓ اور متعدد پھوپھیوں اور ان کے خاندان والوں نے کفالت کا بار سنبھال لیا تھا۔ اگرچہ اس دور میں رسول اکرمؐ صاحب حیثیت تاجر اور خود کفیل مربی بہ نفس نفیس بن چکے تھے اور ان کی کفالت خاص کے حاجت مند نہ تھے۔ (مذکورہ بالا کے علاوہ کتاب خاکسار ''تاریخ تہذیب اسلامی''، نئی دہلی ۱۹۹۴ء، ۱/۷۶ ومابعد: اولین باب سیرت؛ ابن اسحاق/ابن ہشام ۱/۲۷ اومابعد)

صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ میں خاص کر نوخیز ونوجوان افراد وطبقات اپنے اپنے خاندانی سربراہوں اور والدین اور دوسرے مربیوں کے زیر کفالت رہے تھے۔ ان کی بہت سی مثالیں جن میں دلآویز واقعات اور ہولناک روایات ہیں خوب ملتی ہیں:

بنوامیہ کے خاندان سعیدی کے سربراہ ابواحیحہ سعید بن العاص اموی اپنے مسلم فرزندوں۔ خالدؓ وعمروؓ وغیرہ کی کفالت اختلاف مذہب کے باوجود کرتے رہے۔ اسلام لانے کے سبب جب خاندانی سربراہوں اور اکابر کا ظلم وستم شروع ہوا تو چہیتے فرزندوں اور ان کی بیوی بچوں کا کھانا پینا بند کر دیا گیا اور ان کو قید وحبس کا شکار بھی بنایا گیا۔

حضرت مصعب بن عمیر عبدریؓ کی کفیل وسرپرست ان کی والدہ ماجدہ تھیں جوان کو ناز و نعم سے پالتی اور کھلاتی پہناتی رہی تھیں، دین کے سبب ناراض ہوئیں تو کھانا پینا بند کر کے ان پر زندگی تنگ کر دی۔

قریشی بطون مکہ، دوسرے قبائل حرم اور دیگر شہروں اور قریوں کے سربراہان خاندان نے عہد نبوی میں یہی وطیرہ اختیار کیا۔ قبول اسلام سے قبل ان کی پوری کفالت کی اور بعد اسلام ان پر زندگی اجیرن کر دی یا ان کے کھانے پینے اور کفالت میں کمی کر دی۔ (ابن اسحاق/ابن ہشام:

مظالم قریش کے مباحث نیز ابن اثیر، اسد الغابہ اور ابن حجر، الاصابہ میں تراجم اصحاب نبویؐ متعلقہ؛ مسعود احمد، صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین، نئی دہلی ۲۰۰۷ء، بالخصوص جلد دوم میں تاریخ الخلفاء و تاریخ الصحابہؓ وغیرہ پر تراجم صحابہؓ بحوالہ صحیح بخاری و مسلم)

سماجی و خاندانی کفالت کا دوسرا باوقار اور محبت آمیز اظہار یہ بھی تھا کہ متعدد مشرک و کافر اور غیر مسلم اکابر اور سربراہوں نے اپنی آل اولاد، بہوؤں، پوتوں اور دوسرے زیر کفالت لوگوں غلاموں اور موالی کی کفالت اور پرورش و پرداخت میں دینی اختلاف کے باوجود کسی قسم کی کمی نہ کی۔ ان واقعات کا بالعموم ذکر نہیں کیا جاتا کہ ہمارے ماخذ اصلی اور کتب ثانوی اور ان کے مولفین کرام مظالم کی داستانیں سنانے کے شائق اور مراحم کے ابواب نظر انداز کر دینے کے لیے لائق شکوہ ہیں۔ بہر حال ابو طالب ہاشمی، نعیم بن عبد اللہ عدوی اور متعدد دوسرے صاحبان خیرات و مبرات کے کردار کا ایک پہلو یہ بھی ہے جو صرف امکانی نہیں بلکہ واقعاتی ہے۔

اہل ایمان کی کفالتِ غیر: عرب کی مروت و شرافت اقدار میں اسلامی اصول و تعلیمات نے چار چاند لگا کر ان کو معیار و مستند ہی نہیں قابل فخر بنا دیا تھا۔ لہٰذا مسلمانوں نے اور ان میں سے خاص طور پر رسول اکرمؐ اور حضرات صحابہ کرامؓ نے اپنے فرزندوں، دختروں اور دوسرے زیر کفالت لوگوں کی پرورش و پرداخت میں کوئی کمی نہیں کی بلکہ ان کے ساتھ احسان و حسن اخلاق کا فاتح عالم و قلوب مظاہرہ کیا۔

رسول اکرمؐ اور آپؐ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہؓ بنت خویلد اسدی نے اپنی آل و اولاد کے ساتھ ساتھ اپنے عزیزوں، قریبوں اور غلاموں اور موالی کے ساتھ حسن کفالت کا مثالی نمونہ پیش کیا، اگرچہ خاندان رسالت کے تمام افراد صاحب ایمان بن چکے تھے۔ مگر متعدد اقرباء اور موالی ابھی پرانے دین سے وابستہ تھے تاہم ان کی کفالت کا فرض حسب دستور سابق ادا کرتے رہے۔ اس کے علاوہ رسول اکرمؐ اور ان کی زوجہ محترمہؓ اور دوسرے صاحبانؓ ایمان اپنے مشرک و کافر دوستوں اور عزیزوں کی دعوت و میزبانی بھی کرتے رہے۔

صحابہ کرامؓ کے خاندانوں میں اپنے غیر مسلم افراد اور زیر کفالت لوگوں کی کفالت اسلامی کے شاندار نمونے ملتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے غیر مسلم والد حضرت ابو قحافہؓ

عثمان تیمی، فرزند عبدالرحمٰنؓ اور ان کی اہلیہ اور بچوں اور اپنی ایک یا دو ازواج کی کفالت سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ پوری مکی زندگی میں ان کی کفالت کی اور ہجرت کے وقت اپنے بوڑھے باپ کی دیکھ ریکھ کے لیے اپنی مسلم بہن کو پیچھے چھوڑا، دوسرے صحابہ کرامؓ جیسے حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی، عمر بن خطاب عدوی، عثمان بن عفان اموی، عبدالرحمٰن بن عوف زہری رضی اللہ عنہم وغیرہ نے ایسی ہی شائستہ روایات کو پروان چڑھایا تھا۔ (ابن اسحاق/ابن ہشام، جلد اول و دوم کے متعلقہ ابواب بالخصوص ابواب ہجرت اور متعلقہ صحابہ کے تراجم اسد الغابہ و اصابہ)

ایک اہم اور نمائندہ مثال اور قابل فخر اسوہ بنو عدی کے صاحب خیرات و مبرات حضرت نعیم بن عبداللہ عدویؓ کی ہے، جو اپنے خاندان بنو عدی کے علاوہ قریش کے دوسرے بطون و خاندانوں کے افراد بالخصوص یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کے لیے مشہور تھے۔ ان کے اس کار خیر اور کفالت عام کی وجہ سے اکابر مکہ و قریش نے ان کو اسلام و دین پر نہ صرف عمل کرنے کی پوری اجازت و سہولت دی تھی بلکہ ان کو ہجرت کر کے وطن چھوڑنے کی اجازت نہیں دی جبکہ وہ دوسرے صاحبان ایمان کے لیے بلائے بے درماں بن گئے تھے۔ (ابن اثیر، اسد الغابہ: ابن حجر، اصابہ: ترجمہ صحابی موصوف)

احباب اور دوستوں سے تعلقات محبت و یگانگت: جاہلی دور سے مختلف اکابر و شیوخ اور بہت سے لوگوں میں دوستی و رفاقت کے تعلقات چلے آرہے تھے۔ ان کو پختہ کرنے میں مختلف سماجی اشتراک و تعاون کے مظاہر جیسے تجارت و زراعت وغیرہ کا حصہ بھی تھا۔ لیکن خالص دوستانہ مراسم کی زریں و درخشاں روایت تھی جس نے مختلف قبائل اور دیار کے لوگوں کو دوستی اور رفاقت و محبت کے رشتوں میں باندھے تھا (بحث کے لیے: کتاب خاکسار "بنو ہاشم اور بنو امیہ کے معاشرتی تعلقات، علی گڑھ ۲۰۰۱ء، ۱۱-۳۵، نیز ابن حبیب بغدادی، کتاب المحبر و کتاب المنمق، حیدرآباد ۱۹۴۲ء، ۱۹۶۴ء) قبول اسلام کے بعد بعض احوال و معاملات میں اور کچھ افراد و طبقات کے درمیان فرق ضرور پڑا جس کی مثالیں بھی ہیں لیکن اختلاف دین و مذہب کے باوجود عام طور پر عہد نبوی کے دونوں ادوار میں مسلمانوں نے اپنے غیر مسلم دوستوں سے دوستانہ اور محبت آمیز تعلقات استوار رکھے تھے۔

رسول اکرمؐ کے عزیز ترین دوستوں میں ایک حضرت حکیم بن حزام اسدی تھے جو حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے اور تجارتی نمائندے تھے۔ وہ بہت مدت کے بعد مدنی دور کے اواخر میں اسلام لائے مگر رسول اکرمؐ سے ان کی دوستی و محبت بلکہ جاں نثاری میں فرق نہیں آیا۔ (اسد الغابہ و اصابہ میں ترجمہ حضرت حکیم؛ نیز طبری ۲/۳۳۶ وماقبل) احباب نبوت اور بھی تھے جو اختلاف دین کے باوجود دوستی و محبت کے تعلقات نبھاتے رہے۔ عتبہ و شیبہ فرزندان ربیعہ/ بنو عبد شمس قریبی اعزہ تھے اور شدید عناد اسلام رکھتے تھے اس کے باوجود طائف کے سفر سے واپسی پر حال رسول اکرمؐ دیکھ کر ضیافت و خاطر داری سے اپنے کو نہ روک سکے۔

صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کے دونوں طبقات مکی و مدنی کے علاوہ متعدد قبائل عرب کے افراد بھی اپنے دوستانہ تعلقات کے لیے ممتاز تھے۔ مکہ مکرمہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ زہری اور بنو جمح کے شیخ امیہ بن خلف کے دوستانہ روابط اسلام لانے کے باوجود بھی برقرار تھے۔ دونوں آپس میں ملاقاتیں کرتے، مدارتیں کرتے اور دوسرے تمام اقدار مروت و شرافت کی پاس داری حسب سابق کرتے۔ بقول حضرت عبدالرحمٰنؓ ان کا ایک دلچسپ مظاہرہ یہ ہوا کہ اسلام لانے کے بعد امیہ بن خلف جمحی ان کو نئے اسلامی نام عبدالرحمٰن سے پکارنے میں تامل کرتے اور پرانے جاہلی نام سے ہی مخاطب کرتے تھے لیکن حضرت عبدالرحمٰن اس پر التفات نہ کرتے بالآخر ایک دوسرے نام محبت سے تخاطب باہمی کی راہ نکالی گئی۔ ایسی مکی مثالیں بہت سی ہیں۔ حضرات عباس بن عبدالمطلبؓ ہاشمی اور ابوسفیانؓ بن حرب اموی جیسے متعدد اکابر قریش کی دوستی ضرب المثل تھی۔ مدنی صحابہ کرامؓ میں متعدد دوستوں نے ہی اسلام کی طرف اپنے کافر دوستوں کو راغب کیا تھا۔ ان میں سعدین کے علاوہ اسید بن حضیرؓ جیسے اکابر شامل تھے۔ (عہد نبوی کا تمدن بحوالہ بخاری، حدیث: ۲۳۰۱ اور ۳۹۷۱؛ بخاری/ فتح الباری، کتاب الوکالۃ؛ صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین، سوانح صحابہ کرامؓ مذکورہ بالا؛ کتاب المحبر و کتاب المنمق میں شرکائے تجارت؛ اسلامی احکام کا ارتقاء، باب تجارت وغیرہ)

مدینہ و مکہ کے درمیان گوناگوں روابط تھے اور ان کے متعدد اکابر و شیوخ بھی ایک دوسرے سے تعلقات و روابط رکھتے تھے۔ مدینہ منورہ کے حضرات سعد بن عبادہؓ خزرجی اور سعد بن معاذؓ اوسی کے بعض اکابر مکہ سے دوستانہ روابط بعد میں بھی برقرار رہے۔ ہجرت مدینہ کے بعد اور

غزوۂ بدر سے قبل حضرت سعد بن معاذ اوسیؓ عمرہ کرنے مکہ مکرمہ گئے تو اپنے مدتوں کے یار امیہ بن خلف جمحی کے گھر میں مہمان ہوئے اور اسی کی دیکھ ریکھ اور نگہداشت میں طواف وعمرہ کے ارکان ادا کیے بلکہ امیہ جمحی نے ابو جہل مخزومی سے ان کی حفاظت بھی کی۔ (مقالہ خاکسار، مکہ اور مدینہ کے تعلقات، تحقیقات اسلامی علی گڑھ؛ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، فضائل الانصارؓ؛ صحیح تاریخ الاسلام الخ ۳۳۶/۲)

جوار وحمایت کی روایات: قبائلی روایات عصبیت ومروت کی بنا پر اکابر قریش اختلاف مذہب کے باوجود اپنے مسلم افراد وارکان کی حمایت کرتے تھے۔ رسول اکرمؐ کی حمایت ونصرت ابو طالب بن عبد المطلب ہاشمی اور دوسرے اکابر بنی ہاشم وبنی مطلب نے تا عمر کی اور جاں نثاری سے کی۔ متعدد صحابہ کرامؓ کی حمایت وجوار از خود دینے کے واقعات بھی مکی دور ظلم وستم میں ملتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو سردار احابیش ابن الدغنہ کی حمایت وجوار کا واقعہ ہے کہ اس نے حضرت صدیقؓ جیسے عظیم مخیر وصاحب کردار کی جلاوطنی کو داغ سمجھا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو قریشی اکابر کے عین جدال ومجادلہ کے وقت بنو سہم کے عظیم ترین شیخ اور رئیس مکہ العاص بن وائل سہمی نے جوار میں لے لیا تھا۔ اسی طرح متعدد سابقین اولین اور اکابر صحابہؓ اپنے اپنے خاندانوں کے سربراہوں کی حمایت وحفاظت میں رہتے تھے اور ان کو کوئی غیر ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔ البتہ وہ بسا اوقات اپنوں کے ظلم وستم اور جور وزیادتی کا شکار ضرور ہو جاتے تھے جو قریشی پالیسی کا نتیجۂ بد تھا۔ (مفصل بحث کے لیے خاکسار کا مقالہ عہد نبوی میں سماجی تحفظ کا نظام، تحقیقات اسلامی، اکتوبر۔ دسمبر ۲۰۰۲ء؛ مکی اسوۂ نبویؐ، ۱۰۶ و مابعد؛ صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین میں جوار ابی بکرؓ وعمرؓ پر حوالہ بخاری، باب ہجرۃ النبیؐ، باب اسلام عمرؓ ۱۸/۲ و ۵۵ و مابعد؛ نیز سوانح صحابہ کرامؓ)

ایک افواہ سن کر متعدد بلکہ چونتیس مسلمان افراد مکہ مکرمہ آ گئے۔ واپسی کی راہ نہ دیکھی تو چھپ چھپا کر مکہ مکرمہ میں اپنے گھروں اور عزیزوں کے درمیان آ کر بس گئے، اکابر خاندان کے مظالم سے بچانے اور غیروں کی دست درازی سے محفوظ رکھنے کے لیے متعدد دوسرے سرداران قریش اور شیوخ مکہ نے ان کو اپنے جوار میں لے لیا اور ان کی حفاظت وصیانت کا یہ اہتمام کیا کہ مسجد حرام میں جا کر اس کا اعلان کر دیا۔ حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی کو ابو طالب ہاشمی نے

جوار فراہم کی جس پر بعض قریشی سرداروں نے اعتراض کیا۔ اس وقت ابو طالب ہاشمی نے جو کچھ کہا اور کیا سو کہا اور کیا مگر مخزومی بھانجے کے ایک دوسرے ماموں ابولہب ہاشمی نے بھی اپنی حمایت و نصرت کا اعلان اور ابو طالب کی تائید کا اظہار کر دیا حالانکہ یہی وہ دشمن اسلام اور معاند رسول اکرمؐ تھا جس نے اپنے قابل فخر و محبوب بھتیجے کی حمایت سے نہ صرف ہاتھ اٹھایا تھا بلکہ ہر حد سے گذر گیا تھا۔ سیرت ابن اسحاق اور دیگر کتب سیرت میں مہاجرین حبشہ کی جوار و حمایت کرنے والوں کے متعدد واقعات و اسماء مذکور ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے بعد کا اور غالباً عظیم ترین مظاہرہ بنو نوفل کے شیخ اور رسول اکرمؐ کے خاندانی حریف اور چچا مطعم بن عدی نے کیا تھا۔ جب انہوں نے سفر طائف کے بعد رسول اکرمؐ کو اپنی جوار و حمایت میں لے لیا تھا اور اسی کے سائے میں آپؐ تین سال تک محفوظ رہے تھے۔ (مقالہ خاکسار جوار پر مذکورہ بالا؛ طبری ۲/۳۴۱-۳۴۲ بحوالہ ابن اسحاق)

یہود و نصاریٰ اور منافقین سے تعلقات: مکی دور سے ہی رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کے دوستانہ تعلقات اور معاشرتی روابط نصاریٰ اور یہود سے مختلف میدانوں میں استوار رہے تھے۔ ان میں دینی، مذہبی اور تجارتی تعلقات اور رشتوں نے عام معاشرتی روابط قائم کرنے کی صورت گری کی تھی۔ اگرچہ اس دور کے روابط کا ذکر روایات سیرت و تاریخ میں نہیں آتا لیکن اس امکان سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اپنی تجارتی سرگرمیوں کے دوران رسول اکرمؐ اور آپؐ سے زیادہ صحابہ کرامؓ مدینہ منورہ سے گذرتے رہے تھے اور وہاں کے عربوں اور یہود کے ساتھ ان کے روابط رہے تھے۔ ان کا ذکر جاہلی اکابر بنو عبد مناف کے شیوخ کے بارے میں بالخصوص آتا ہے جو ان کے اخلاف میں بھی باقی رہا۔ (مکہ و مدینہ کے تعلقات پر مضمون مذکورہ بالا؛ نصاریٰ نجران کے مکی دور میں وفد کی آمد و حاضری پر کتب سیرت و حدیث)

مدنی دور میں یہود سے ہر طرح کے روابط معاشرت رسول اکرمؐ اور تمام ہی صحابہ کرامؓ سے رہے تھے۔ حضرت عبد اللہؓ بن سلام قینقاعی جیسے اکابر علماء کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ اور حضرت مخیریقؓ کی مالی امداد اور اموال کا ہدایا بہت معروف ہے۔ ایک یہودی لڑکے کے رسول اکرمؐ کی خدمت گذاری کرنے اور اس کی بیماری میں رسول اکرمؐ کی عیادت کرنے کا واقعہ بھی مشہور

ہے اور اس یہودی خادم کے خاندان بالخصوص اس کے والد کے ساتھ محبت ورافت کے تعلق کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔اسی طرح صحابہ کرامؓ کے یہود سے معاشرتی تعلقات کا ذکر مختلف حوالوں سے آتا ہے۔ان کے بعض واقعات کا ذکر ذرا آگے آتا ہے۔(بخاری رفتح الباری، کتاب المغازی، باب حدیث بن النضیر ؛ ہجرۃ النبیؐ اور کتاب المناقب کے ابواب متعلقہ)

منافقین کے طبقات وافراد بالخصوص ان کے اکابر وشیوخ سے رسول اکرمؐ کے مہر آمیز اور لطافت آگیں تعلقات کا باب اسلام میں گھر کے بھیدیوں اور چھپے ہوئے دشمنوں کے ساتھ معاشرت وسلوک کا معیار عدل پیش کرتا ہے۔رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ ان ظاہری مسلمانوں اور باطنی کافروں کے عناد اسلام اور مخالفت نبوی سے خوب واقف تھے۔اس کے باوجود آپؐ نے ان کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا اور صحابہ کرامؓ کی شدت تقاضا کے باوجود رحم وکرم اور محبت وخلوص کا اظہار کیا،غزوہ مریسیع سے واپسی پر انصار ومہاجرین کے درمیان جاہلی قبائلی عصبیت بھڑکانے، مسلمانوں کو مدینہ سے نکال باہر کرنے کا اجتماعی گناہ کیا کم تھا کہ رسول اکرمؐ کی حرم محترمؓ پر بہتان تراشی، افک۔۔نے کیسا شدید معاشرتی بحران پیدا کیا تھا تاہم آپؐ نے رحم فرمایا اور روز ہجرت سے آخری یوم وفات تک ان کی سازشوں، دشمنانہ کارروائیوں اور شدید مخالفتوں کے باوجود ان سے تعلقات رکھے حتی کہ راس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی نماز جنازہ محض اپنی بیکراں رحمت کے سبب پڑھادی جو اہل ایمان کے علاوہ الہ العالمین کو بھی پسند نہ آئی۔(ابن اسحاق رابن ہشام میں کتاب تعلقات منافقین ؛ بخاری کے مختلف کتب وابواب جیسے حدیث الافک، صلاۃ الجنائز، کتاب التفسیر: سورۂ توبہ وغیرہ ؛ صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین ۲/۶۰۹ وغیرہ ؛ بخاری، کتاب الجہاد، باب الکسوۃ للاساری میں عبداللہ بن ابی وغیرہ کے لیے لباس کا ذکر ہے)

ہدایا وتحائف کا لین دین: اسلامی محبت وتعلق اور معاشرتی ربط وارتباط کا ایک اظہار ہے اپنوں اور غیروں سے تبادلہ ہدایا وتحائف،رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں اس کی متعدد صورتیں تھیں۔ان کا مجموعہ خیر ''تحنث'' کی شکل میں وسیع جہات رکھتا ہے۔عبادات واعمال زاہدانہ کے علاوہ انسانی معاشرت میں غرباء ومساکین کو صدقات دینا، بے سہاروں اور بے نواؤں کی دستگیری کرنا، بھوکوں کو کھانا اور پیاسوں کو پانی پلانا، موسم حج اور اوقات عمرہ میں رفادہ وسقایہ کا

اجتماعی وانفرادی نظم کرنا، عام حالات میں سب کی دعوتیں کرنا اوران کی ضیافتوں کا لطف اٹھانا، قحط وخشک سالی کے زمانے میں خصوصی کھانوں کا اہتمام کرنا، مسافروں اور ضرورت مندوں کو سواری فراہم کرنا، مہمانوں کی ضیافت و مدارات کرنا اور غلاموں کو آزاد کرنا جیسے اعمال خیر شامل تھے۔ رسول اکرمؐ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں ان اوصاف حمیدہ اور اعمال خیر کا ذکر بالترتیب حضرت خدیجہؓ کی توصیف بوقت نزول وحی اور ابن الدغنہ کی تعریف بوقت ہجرت حبشہ آتا ہے۔ حضرت حکیم بن حزام اسدیؓ کے متعدد واقعات و اعمال خیر کا ذکر بخاری اور کتب سیرت میں ملتا ہے۔ ان اعمال خیر کا ذکر جاہلی اکابر- ہاشم، عبدالمطلب وغیرہ کے بارے میں تو بہت معروف ہے لیکن عہد نبوی کے کافر شیوخ جیسے عبداللہ بن جدعان تیمی، ابوجہل مخزومی، ابی بن خلف، امیہ بن خلف، عاص بن وائل، ولید بن مغیرہ، ابوسفیان اموی وغیرہ متعدد کے بارے میں بھی ثبت ہے۔ (بحث کے لیے ملاحظہ ہو: اسلامی احکام کا ارتقاء کے مختلف بالخصوص ابواب معاشرت وماکولات ومشروبات؛ مقالہ خاکسار: عہد جاہلی مکی میں تحنث کی اسلامی روایات، ششماہی رسالہ جہات الاسلام، لاہور ۲۰۰۸ء؛ جلد اول، شمارہ اول)

رسول اکرمؐ نے اپنی دونوں رضاعی ماؤں حضرت ثُویبہؓ وحضرت حلیمہ سعدیہؓ کے ساتھ تازندگی حسن سلوک کیا اوران کی آمد پر ان کو ہدایا وتحائف سے مالا مال کیا۔ حضرت خدیجہؓ نے بھی ان کے ساتھ تازندگی احسان بھرا ربط رکھا اوران کو ہمیشہ مال سے نوازا۔ رضاعی ماؤں اوران کے خاندان والوں کے ساتھ صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کا حسن سلوک ایک مسلمہ دستور معاشرت ومحبت تھا جس کی متعدد روایات ہیں۔ حضرت خدیجہؓ کی بہن اور دوسری سہیلیوں کے ساتھ رسول اکرمؐ کا سلوک یہ تھا کہ جب بھی بکری ذبح کرتے اس کے پارچے ان کو ضرور بھجواتے۔ مدنی دور میں رسول اکرمؐ نے متعدد ملوک وسلاطین اور شیوخ واکابر قریش اور روساے وفود کو کھانے، لباس اور مویشیوں کے ہدایا دیئے اوران کے ہدایا وتحائف قبول بھی فرمائے۔ مقوقس صاحب اسکندریہ کے ہدایا کا ذکر اور حبشہ کے نجاشی اور متعدد دوسرے اکابر کے ہدایا کا ذکر موجود ہے۔ رئیس المنافقین کی موت پر اس کے مسلم ومومن فرزند کی درخواست کی بناء پر اپنی قمیص عطا فرمائی تھی کہ کبھی اس ظالم نے چچا عباسؓ کو اپنی قمیص کا ہدیہ دیا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے رسول اکرمؐ کے عطا

کردہ ایک ریشمی جبہ کو آپؐ کی ہدایت ہی پر اپنے ایک کافر عزیز، بھائی یا ماموں کو بھجوایا تھا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ کی کافر والدہ کے ساتھ مسلم دختر حقیقی ماں جیسا سلوک کرتی تھیں اور ان کے والد ماجد اپنے کافر باپ کی خبر گیری کرتے تھے۔ (مفصل بحث کے لیے عہد نبوی کا تمدن، باب ہدایا بحوالہ بخاری رفتح الباری، کتاب الہبہ الخ، ۲۴۳/۵-۳۰۳، بالخصوص باب قبول الہدیہ من المشرکین، ۲۸۲/۵ و مابعد؛ باب الہدیہ للمشرکین، ۲۸۶/۵ و مابعد)

دکھ سکھ میں شرکت و یگانگت کا اظہار: اسلامی رحمت و رافت اور نبوی محبت و مروت کا ہی یہ اظہار تھا کہ رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ انفرادی دکھ سکھ میں شریک ہوتے اور اس میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق کبھی نہیں کرتے کہ اس شناخت سے ماوراء انسانیت کا شرف عزیز تر تھا۔ بیماروں کی عیادت کرتے۔ رسول اکرمؐ نے مکی دور میں اپنے چچا ابو طالب اور دوسرے بزرگوں اور عزیزوں اور قریبوں کی عیادت کی تھی۔ ان کی وفات پر ان کے جنازوں کی مشایعت کرتے اور ان کی تدفین میں شرکت کرتے۔ ابو طالب ہاشمی کی وفات پر عدم شرکت اور سخت رویہ کی روایات کی تردید صحیح روایات سے ہو جاتی ہے کہ آپؐ نے ان کے جنازے میں شرکت کی تھی اور تدفین کا کام حضرت علیؓ کے ساتھ کیا تھا۔ مدنی دور میں بھی یہ طریقہ معاشرت و محبت جاری رہا۔ یہود میں سے بعض کی عیادت اور ان کے جنازوں کے اکرام میں استادہ ہونے کی روایات ملتی ہیں۔ یہ دراصل اس عالمی اور ہمہ گیر پیغام و دین محبت و فطرت کی تعلیم تھی جو عالمین کے لیے رحمت بن کر آیا تھا اور اس میں کسی قسم کی تفریق نہ تھی۔ (اسلامی احکام کا ارتقاء، ۳۲۹ و مابعد؛ بخاری رفتح الباری، کتاب الجنائز کے مختلف ابواب)

اجتماعی دکھ سکھ میں غیر مسلموں کے ساتھ یگانگت کے بعض واقعات مکی اور مدنی دونوں ادوار سیرت میں ملتے ہیں:

مکی دور میں قریشی مظالم سے تنگ آکر رحمت عالمؐ کو جوش آ گیا تو ان کے لیے حضرت یوسفؑ کے زمانے کے قحط کی بددعا کر دی۔ جب مکی لوگوں کی حالت خستہ ہو گئی تو حضرت ابو سفیان اموی ؓ نے آپ سے قرابت و رشتہ داری کا واسطہ دے کر دعا کی التجا کی اور آپؐ نے قبول فرمالی اور قحط کی بلا دور ہو گئی۔ (مکی اسوہ نبوی، ۴۷ و مابعد)

مدنی دور میں قریش مکہ کو قحط اور بھکمری کا سامنا ہوا تو رسول اکرمؐ نے ابوسفیان بن حرب اموی کے پاس مال ورسد بھیجی۔

رئیس یمامہ حضرت ثمامہ بن اثال حنفیؓ نے قریشی مظالم سے تنگ آکر اپنے علاقے سے گیہوں کی ترسیل ورسد بند کردی اور ساکنان حرم بھوکوں مرنے لگے تو آپؐ نے ان کے بعض اکابر کی التجا پر گیہوں کی رسد دوبارہ جاری کرادی۔ (بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب الاغتسال اذا اسلم، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفہ، صحیح مسلم وغیرہ؛ صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین، ۲/۲۸۵-۲۸۶)

غزوۂ بدر اور دوسرے غزوات وسرایا میں اسیران جنگ کے ساتھ نبوی حسن سلوک اور صحابہ کرامؓ کے احسان عمیم کے بہت سے واقعات ہیں:

بدر کے قیدیوں کو صحابہ کرام اپنا کھانا کھلا دیتے، ان کے آرام وآسائش کا خیال رکھتے اور خود کبھی بھوکے اور بے آرام رہ جاتے۔ (ابن اسحاق / ابن ہشام؛ بحوالہ شبلی، ۱/۳۳۰ ومابعد؛ طبری ۲/۴۶۴ ومابعد)

غزوۂ حنین کے بعد اکابر ہوازن کی التجا ودرخواست پر آپؐ نے بنوعبدالمطلب کے حصہ کے قیدی آزاد کردیے اور آپؐ کے اسوہ پر صحابہ نے بھی عمل کیا۔ آنِ واحد میں چھ ہزار قیدی آزاد ہوگئے۔ ان کے لیے رسول اکرمؐ نے قرض لے کر کپڑے منگوائے اور کھانے پینے کا انتظام کیا۔ یہ باب محبت ورافت بہت وسیع ہے اور اس پر پورا ایک تحقیقی دفتر تیار کیا جاسکتا ہے۔ (بخاری / فتح الباری، کتاب المغازی، باب غزوۂ حنین کے علاوہ کتاب الوکالہ، کتاب العتق، کتاب الھبۃ اور کتاب فرض الخمس کے مختلف ابواب)

دوسری طرف وسیع تر عناد ومخالفت اکابر قریش کے باوجود صلہ رحمی، عزیز داری اور رحمت وکرم کا بالکل توڑا نہیں تھا۔ ان میں بھی صاحبان خیرات ومبرات اور ارباب احسان و سلوک تھے جو جاہلی۔ حنیفی اقدار سخاوت ومروت سے لبریز اور ان کے علم بردار تھے۔ رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ سے رشتہ داری وقرابت کا بھی ان کو احساس وپاس تھا اور اس سے تو دشمنان دین بھی بالکل عاری نہ تھے۔ ان تمام اسباب ووجوہ سے متعدد اکابر وعوام نے مسلمانوں کے ساتھ مکی دور کے خاص مشکل اوقات میں محبت ومروت کا سلوک کیا تھا۔ اہل ایمان نے احسان مندی سے ان

کو یاد رکھا تھا اور ان کے لیے خاص مشکل حالات میں اچھا بدلہ دینے کی کوشش کی تھی۔

رسول اکرمؐ پر ابوجہل مخزومی کی زیادتی نے حضرت حمزہؓ کو اتنا برافروختہ کیا کہ انہوں نے ظالم کو جا کر زدوکوب کیا اور اعلان اسلام کر دیا۔ (بخاری رفتح الباری، ابن اسحاق رابن ہشام میں اسلام حمزہ بن عبدالمطلب پر بحث، شبلی ۱ر۲۲۲ ومابعد)

عتبہ بن ربیعہ اور بعض دوسرے اکابر قریش نے ظالموں کو ظلم وزیادتی سے روکا کہ وہ بہرحال اپنے ہی عزیز وقریب اور رشتہ دار ہیں۔ ان ہی جیسے اکابر نے جنگ بدر کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ اس کی ناکامی کی صورت میں اخنس بن شریق ثقفی جیسے لوگوں کی تحریک واقدام پر بنو ہاشم کے بعض افراد اور بنو عدی اور بنو زہرہ کے تمام لوگ مکہ واپس چلے گئے تھے۔ ان میں سے متعدد کا موقف تھا کہ اب جنگ کی ضرورت نہیں رہی۔ (ابن اسحاق رابن ہشام ۲ر۲۵۷-۲۵۸؛ بحث کے لیے بنو ہاشم اور بنو امیہ کے معاشرتی تعلقات، ۱۹-۲۰، نیز شبلی ۱ر۳۱۸ ومابعد)

مکی دور کے اواخر میں ابوطالب کی زیر قیادت بنو ہاشم وبنو مطلب کی کلی حمایت نبوی کے سبب ان کا بائیکاٹ کر دیا گیا۔ ابوطالب ہاشمی دونوں خاندانوں کے مسلمانوں اور کافروں کے ساتھ شعب ابی طالب میں جا کر محصور ہو گئے۔ یہ تین برسوں کا سخت ترین دور تھا۔ اس محاصرہ ومقاطعہ کے دوران حکیم بن حزام اسدی، ابوالبختری جیسے اکابر قریش اور دوسرے مشرک رشتہ داروں نے سامان رسد پہنچایا تھا اور ہر طرح کی امداد وتعاون کی سبیل نکالی تھی۔ اس مقاطعہ کے خاتمہ کا سارا شرف پانچ چھ مشرک اکابر قریش کو ہی جاتا ہے۔ (ابن اسحاق رابن ہشام، طبری ۲ر ۳۳۵ ومابعد)

ابوسفیان بن حرب اموی کو افسانوی رقابت بنی ہاشم وبنی امیہ کے سبب بلاوجہ مطعون کیا گیا ہے۔ بہرحال یہی وہ افسانوی دشمن تھے جن کے بیکراں عشق قریش اور بے پناہ محبت قوم کی صحیح روایات کتب سیرت میں موجود ہیں۔ اور ان سے زیادہ ان کے واقعات محبت کا ذکر ہے۔ رسول اکرمؐ کی دختر نیک اختر حضرت زینبؓ کو جب اکابر قریش نے ہجرت نہ کرنے دی تو ان ہی ابوسفیان اور ان کی بیوی ہند نے اس کا انتظام کیا تھا۔ حضرت ام کلثومؓ بنت عقبہ اموی نے تن تنہا سفر ہجرت کیا تو ان کو مدینہ تک پہنچانے والے ایک بامروت شخص عثمان بن طلحہ عبدری تھے جو اس

وقت مسلم نہ تھے۔ اسی طرح بعض دوسرے مہاجرین و مہاجرات کے بارے میں مشرک اکابر قریش کے بالخصوص اور دوسرے شیوخ قبائل کے واقعات مہر و محبت ملتے ہیں۔ (مفصل بحث کے لیے بنو ہاشم و بنو امیہ کے معاشرتی تعلقات، ۲۰-۲۱ و مابعد بحوالہ ابن ہشام ۲/۲۶۲-۲۶۳؛ شبلی ار ۳۱۹-۳۲۰؛ بخاری، ابواب الفضائل، ذکر اصہار النبی ﷺ وغیرہ؛ حضرت ام کلثوم کے واقعہ کے لیے کتب سیرت کے علاوہ سورۂ ممتحنہ: ۲۰ کی تفسیر کتب تفسیر و حدیث میں)

تجارتی اور اقتصادی لین دین: اسلام اور رسول اکرمؐ نے تجارت و زراعت، صنعت و حرفت اور مزدوری و اجیری وغیرہ کے تمام اقتصادی میدانوں میں حرام پیشوں اور ناجائز طریقوں کے سوا اور کوئی قدغن نہیں لگائی اور غیر مسلموں کے ساتھ ان تمام میادین اقتصاد و معیشت میں اشتراک کی سبیل نکالی۔ قریش مکہ خاص کر اور دوسرے امصار و دیار کے عرب قبائل عام طور سے تجارت سے اور اس کے ساتھ ساتھ صنعت و حرفت اور مزدوری و اجیری سے وابستہ تھے۔ زرعی علاقوں کے لوگ زراعت کے علاوہ بقیہ پیشوں سے بھی منسلک چلے آرہے تھے۔ ان میں مدینہ، طائف، خیبر اور یمامہ وغیرہ کے لوگ ممتاز تھے۔ جاہلی دور سے جو اقتصادی اور تجارتی روابط اکابر و اصاغر کے درمیان چلے آرہے تھے وہ عہد نبوی کے دونوں زمانوں میں بھی جاری رہے اور ان میں فرق نہیں آیا۔ مسلمانوں نے مشرکوں، یہود و نصاریٰ اور دوسرے غیر مسلموں کے ساتھ تجارت کی، ان سے زراعت میں اشتراک کیا اور ان کے ہاں مزدوری و اجیری کی اسی طرح غیر مسلموں نے اختلاف مذہب و دین کے باوجود اپنے تجارتی ساتھیوں کے ساتھ سابقہ تعلقات استوار رکھے اور دوسرے میدانوں میں بھی اشتراک کیا۔ (دوستی کے باب میں مذکور حوالے و مآخذ ملاحظہ ہوں)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہریؓ مکی مسلمانوں میں اور حضرت سعدؓ بن معاذ اوسی مدنی اکابر میں مکہ مکرمہ کے شیخ امیہ بن خلف جمحی کے ندیم تھے۔ دونوں کے تجارتی تعلقات اسلام کے آنے کے بعد بھی بحال رہے۔ اول الذکر صحابہ نے تو اپنے مشرک ندیم تجارت سے ایک وسیع تر معاہدہ اشتراک کیا تھا، جس کے تحت دونوں ایک دوسرے کے تجارتی، معاشرتی مفادات کے تحفظ کے اپنے اپنے علاقوں میں ہجرت کے بعد بھی پابند تھے اور اسی کی پاسداری میں حضرت عبدالرحمٰن زہریؓ نے امیہ بن خلف جمحی اور اس کے ایک بیٹے کی جان بچانے کی جنگ بدر کے دوران کوشش

کی تھی اور خود زخمی ہو گئے تھے۔ (بخاری رفتح الباری، کتاب الوکالہ کا حوالہ اوپر گذر چکا ہے)

حضرات عباسؓ بن عبدالمطلب ہاشمی اور ابوسفیانؓ بن حرب اموی ایک دوسرے کے دوست اور تجارتی ندیم تھے اور تا زندگی رہے۔

مولفین سیرت و تاریخ خاص کر محمد بن حبیب بغدادی (م ۲۴۵ر ۸۴۹) متعدد ندیم جوڑوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک مسلم تھے دوسرے غیر مسلم۔

رسول اکرمؐ کے تاجرانہ مشاغل اور سرگرمیوں کا بعد بعثت ذکر نہیں کیا جاتا۔ معتبر روایات بتاتی ہیں کہ آپؐ نے ابوسفیان بن حرب کے ذریعہ اپنا مال تجارت کئی بار یمن و شام کے بازاروں میں بھیجا تھا اور ابوسفیان اموی نے اختلاف دین کے باوجود نبوی مضارب و شریک کا کردار ادا کیا تھا۔ مشہور واقعات ہیں کہ مکہ مکرمہ میں رسول اکرمؐ نے کئی غیر مسلم آفاقی تاجروں کا مال یا ان کی رقم ابوجہل مخزومی جیسے اکابر قریش سے دلوائی تھی۔

صحابہ کرام میں حضرات ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، عبدالرحمن بن عوف زہریؓ، طلحہؓ بن عبیداللہ تیمی، زبیرؓ بن عوام اسدی اور متعدد دوسرے مسلم اکابر کے بارے میں احادیث و روایات میں ذکر آتا ہے کہ وہ شام و یمن کے بین الاقوامی بازاروں کے علاوہ ملکی اسواق عرب میں تجارت کرتے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان کی تجارت بیشتر غیر مسلم عناصر۔ یہود، نصاریٰ، مجوس، صابی لوگوں وغیرہ سے ہوتی تھی۔ ان میں اہل ہند بھی شامل تھے۔ (عہد نبوی میں تجارت کے علاوہ سیرت نبوی کے ابواب تجارت)

زراعت: زرعی اموال اور کھیتوں میں غیر مسلموں کے ساتھ مسلم اشتراک و تعاون کے زیادہ واقعات مدینہ منورہ کے حوالہ سے ملتے ہیں۔ انصار مدینہ کے دونوں عرب قبیلوں اوس و خزرج کے بارے میں یہ صراحت آتی ہے کہ ان کے غریب عناصر مرد و عورت اور بچے ان کے باغوں اور کھیتوں میں عہد جاہلی اور قبل ہجرت کے زمانے سے کام کرتے چلے آرہے تھے۔ ان کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر یہودی مالکوں نے ان کو غلام اور ان کا دین تبدیل کر کے ان کو یہودی بنالیا تھا۔ اسلام و ہجرت کے بعد اس حرکت ناشائستہ پر تو روک لگ گئی مگر مسلمان مرد و عورت ان کے کھیتوں اور باغوں میں مزدوری کرتے رہے یا ان کے لیے زرعی فصلیں اگاتے رہے تھے کہ یہ

ماہرین زراعت تھے۔

حضرت سلمان فارسیؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اپنے یہودی آقا کے باغ میں کام کرتے تھے اور بعد اسلام بھی کرتے رہے تا آنکہ مکاتبت کے ذریعہ رقم ادا کر کے اس کی غلامی سے نجات پائی۔

حضرت علیؓ نے ایک دو بار ایک یہودی مالک باغ کے باغ میں سینچائی کی اور اجرت پائی۔

ایسی اجرتوں اور مزدوریوں کے بعض اور واقعات دوسرے صحابہ کرام کے بارے میں بھی ملتے ہیں۔ (شبلی ۱/۲۵۸ و مابعد بحث مدینہ منورہ اور انصار بحوالہ کتب سیرت؛ بخاری، کتاب الاجارہ وغیرہ)

صنعت و حرفت: مکہ مکرمہ میں حضرت خباب بن ارت تمیمیؓ ایک ماہر لوہار اور ہتھیار ساز تھے اور اپنی صنعت و حرفت سے خوب مال کمایا تھا۔ ان سے کام لینے والوں میں اوروں کے علاوہ مشہور شیخ مکہ عاص بن وائل سہمی کا بھی نام آتا ہے۔ ان ظالموں نے ان کا سارا مال رکھوالیا تھا تب ہجرت مدینہ کی اجازت دی تھی۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص زہری ماہر تیر گر تھے اور سب کے لیے تیر بناتے تھے۔ (بخاری رفتح الباری، کتاب البیوع، باب ذکر القین وغیرہ؛ کتاب التفسیر، سورۂ مریم؛ صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ؛ سوانح صحابہ اسد الغابہ)

مزدوری: اجیری کا تعلق تمام مذکورہ بالا مشاغل اقتصاد و اعمال معیشت سے تھا۔ متعدد مسلم مزدوروں نے بطور تجارتی اجیر، زرعی مزدور اور صنعتی و دستکاری کے کاریگر و مزدور کی حیثیت سے غیر مسلموں کے ساتھ کام کیا تھا۔ (بخاری و مسلم وغیرہ میں کتاب الاجارہ کے ابواب)

چرواہی: جزیرہ نمائے عرب کے تمام علاقوں میں مویشی اور اونٹوں کی چرواہی کا پیشہ عام تھا اور بالعموم غریب مرد و عورت اور بچے اس کو کرتے تھے۔ رسول اکرمؐ کے رعی غنم کے واقعات مشہور ہیں اور اسی طرح آپؐ کی انا حضرت ام ایمنؓ بعض اکابر و شیوخ قریش کے جانوروں کے لیے یہی خدمت انجام دیتی تھیں۔ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ شیخ مکہ عقبہ بن ابی معیط اموی کے چرواہے تھے اور اجرت پر یہ کام کرتے تھے۔ ان کے گھر والے بھی یہ کام کرتے تھے۔

مکی اور مدنی دونوں ادوار حیات میں ایسے متعدد مسلم چرواہے تھے جو غیر مسلموں کے جانوروں کی دیکھ بھال اور گلہ بانی کا کام انجام دیتے رہے تھے۔ (اسلام حضرت عبداللہؓ بن مسعود پر مباحث کتب سیرت)

ثقیف/طائف کے باغات و اموال میں اکابر قریش کے خاطر خواہ حصے تھے جو ان کے مسلم فرزندوں اور دختروں کو ملے تھے۔ ان میں حضرات خالدؓ بن ولید مخزومی اور ان کے بھائیوں کے علاوہ حضرت زینبؓ بنت جحش اسدی ام المومنین اور حضرت ام سلمہؓ ام المومنین کے بھی حصے تھے۔ ان کی دیکھ ریکھ کا کام بظاہر ہجرت کے بعد غیر مسلم ہی کرتے تھے۔

تجارتی نمائندوں اور کارپردازوں میں متعدد حضرات و اکابر کے بارے میں یہ واضح ہے کہ وہ غیر مسلم تھے اور مسلم تاجروں کے مال تجارت میں اشتراک رکھتے یا ان کے تجارتی کاموں کا اہتمام و انصرام کرتے تھے۔ ان میں ایک حضرت حکیم بن حزام اسدیؓ ممتاز ترین تھے کہ وہ اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کے تجارتی مہتمم و منصرم تھے اور ان کی زندگی بھر اسلام نہیں لائے تھے۔

ایسے دوسرے غیر مسلم کارپرداز اور نمائندے تھے جو مسلم تاجروں کے ساتھ اشتراک و تعاون کرتے تھے۔ ان میں موالی اور غلاموں کی تعداد کافی تھی اور ان کے بارے میں یہ قطعی ہے کہ وہ غیر مسلم بھی رہے تھے کیونکہ بہت سے مسلم اکابر کے غیر مسلم موالی اور غلام کاریگر تھے۔

رسول اکرمؐ نے بہ نفس نفیس بسا اوقات غیر مسلموں سے کوئی نہ کوئی کام لیا۔ ان میں دلیل (راہبر) کا ذکر زیادہ ملتا ہے۔ ہجرت مدینہ کے سفر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حکم نبوی پر مشہور و ماہر راہ داں عبداللہ بن اریقط دئلی کو بطور اجیر منتخب کیا تھا اور ان کے حوالے سواری کی دونوں اونٹنیاں کر دی تھیں۔ اس غیر مسلم راہبر نے بڑی ایمان داری و دیانت سے رسول اکرمؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو محفوظ راستے سے بحفاظت تمام مدینہ منورہ پہنچایا تھا۔ بعض ایسے اور بھی راہبروں کا ذکر ملتا ہے۔

بعض غزوات بالخصوص غزوۂ خیبر میں چند یہودی چرواہوں نے دلیل راہ یا خبر گیر کا کام کیا تھا اور آپؐ نے ان کو اجرت دی تھی۔

طلیعہ اور خبر رسانوں کے طبقہ میں غیر مسلموں کا دبدبہ اور مہارت مسلم تھی۔ رسول اکرمؐ

نے بعض غیر مسلم جاسوسوں سے بھی خبر رسانی کی خدمت لی تھی۔

سیاسی اور تنظیمی معاملات میں اشتراک وتعاون: پیغمبر آخرالزماںؐ اور آپؐ کے صحابہ کرام نے قومی سیاست وتنظیم میں غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک کیا۔اس کی بنیادی وجہ اور اصل حکمت یہ تھی کہ وہ قبائلی اتحاد وتنظیم یا ریاستی انتظام وانصرام کا اجتماعی معاملہ تھا متعدد آیات واحادیث ایسی ہیں جو مصالحِ عامہ کی خاطر مشرکین سے اتحاد ومعاہدہ باہمی کا حکم دیتی ہیں۔رسول اکرمؐ نے ان کی صالح سیاسی اور تنظیمی روایات قبول کی تھیں۔ان میں حلف الفضول کا اجتماعی معاہدہ اور اس کا نفاذ بھی تھا۔(حلف الفضول کا معاہدہ مکہ مکرمہ میں کمزور طبقات اور باہر سے آنے والے تاجروں اور آبادکاروں کے مراعات وحقوق کے لیے کیا گیا تھا۔بعثت سے قبل آپؐ اس میں شریک رہے تھے اور اسلام کے زمانے میں بھی اس کی تعریف وتحسین فرماتے تھے۔اسی کے تحت آپؐ نے بعض اکابر قریش کے تاجروں کا مال یا ان کے واجبات ادا کروائے تھے اور متعدد مظلوموں کی دادرسی کی تھی۔اسی طرح کے بعض اور بھی قبل بعثت اجتماعی کام کیے تھے)

مکی عہد میں قریش مکہ کی ملاء/مجلس کے کم از کم بارہ مناصب تھے جو مختلف بطون قریش میں موروثی طور سے چلے آرہے تھے۔بعثت نبوی کے زمانے میں حضرات ابوبکر صدیقؓ بنوتیم کے صاحب منصب کی حیثیت سے اور عمر فاروقؓ بنوعدی کے منصب دار کی حیثیت سے بالترتیب منافرہ واموال وانساب اور سفارت قریش کے مناصب رکھتے تھے اور کسی روایت سے نہیں معلوم ہوتا کہ قریش مکہ نے ان کو اسلام لانے کے بعد ان سے بے دخل کردیا ہو یا رسول اکرمؐ نے ان سے ان مناصب کو چھوڑ دینے کی ہدایت کی ہو۔

حضرت عثمان بن طلحہ عبدریؓ کے بارے میں قطعی طور سے یہ ثابت ہے کہ وہ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے تھے اور اس کے بعد فتح مکہ تک وہ کعبہ کے کلید بردار اور حجابہ کے منصب دار رہے تھے اور ان کو قریش مکہ نے اس اہم ترین منصب سے الگ نہیں کیا اور ان کے خاندانی حق کی بنا پر ہی رسول اکرمؐ نے فتح مکہ کے بعد ان کو ان مناصب پر برقرار رکھا حالانکہ بعض اکابر بنو ہاشم نے رسول اکرمؐ سے حجابہ اور کلید کعبہ لینے اور بنو ہاشم کو عطا کرنے کی درخواست کی تھی۔مگر اسے رسول اکرمؐ نے ظلم سے تعبیر کرکے مسترد کردیا۔(مکی اسوۂ نبوی ۱۷۸: مناصب کی تفصیل کے لیے

شبلی ۱/۲۱۱-۲۱۲؛ بنو ہاشم و بنو امیہ کے معاشرتی تعلقات، ۱۲-۱۳ و مابعد مع حواشی؛ بخاری/فتح الباری، کتاب المغازی، باب غزوۂ فتح مکہ وغیرہ)

مدنی دور میں سیاسی اور تنظیمی معاملات نے ریاستی انتظام و انصرام کی صورت اختیار کرلی کہ اب ایک اسلامی ریاست قائم ہوچکی تھی۔ رسول اکرمؐ نے مواخاۃ مدینہ کے ذریعہ انصار و مہاجرین کی معاشرتی تنظیم کے بعد دستور مدینہ کے ذریعہ مسلم و غیر مسلم عناصر کے درمیان رشتہ بنایا۔ یہ ایک اسلامی معاشرہ اور اسلامی ریاست تھی لہٰذا اس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان دو طرح کے روابط استوار کیے، قبائلی روایات کے مطابق تمام مسلم و غیر مسلم طبقات کو دیت و قصاص کے معاملات میں آزادی بخشی کہ وہ اپنی اپنی روایات کے مطابق ان کو ادا کریں لیکن اسلامی ریاست کے حلیف شہریوں کی حیثیت سے غیر مسلموں بالخصوص قبائل یہود کے فرائض مسلمانوں کے فرائض کے مانند تھے۔ وہ تمام مذہبی، تہذیبی اور معاشرتی معاملات میں آزاد اور خود مختار ہونے کے باوجود انتظامی معاملات اور فوجی امور میں پابند تھے۔ رسول اکرمؐ کے احکام کی پیروی کرنے، آپؐ کے فیصلوں کو تسلیم کرنے اور ان پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ وہ ریاست مدینہ کی حفاظت و دفاع اور جنگ کی صورت میں اخراجات برداشت کرنے کے بھی ذمہ دار تھے۔ رسول اکرمؐ نے اسی لیے یہود مدینہ اور دوسرے غیر مسلم عناصر سے کبھی جزیہ نہیں لیا۔ احکام جزیہ کے نفاذ کے بعد بھی وہ اس سے مستثنیٰ رہے۔ (عہد نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت، باب اول؛ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، The First Written Constitution of the World)

دوسرے علاقوں سے آپؐ نے جزیہ بھی لیا اور ان کی زرعی پیداواروں پر خراج بھی وصول کیا جو مسلمان شہریوں کے محاصل زکوٰۃ و عشر کا متبادل تھا۔ خیبر کے یہود سے صلح کے معاہدے کیے اور ان کی درخواست پر ان سے پچاس فیصد پیداوار بطور محصول لی یہی انتظام دوسری یہودی بستیوں - فدک، وادی القریٰ، تیماء - نے قبول کیا تھا۔ جبکہ بعض دوسری یہودی اور عیسائی بستیوں نے خراج کی شرح ایک چوتھائی ادا کی۔ جزیہ کی شرح بھی بعض علاقوں میں مختلف تھی۔ یہ نبوی صواب دید اور مصالح کا معاملہ تھا، جزیہ و خراج اور اس کے نفاذ کے سلسلہ میں یہ حقیقت یاد رکھنے کی ہے کہ وہ بازنطینی - رومی اور ایرانی نظام محاصل تھا جسے عصری تقاضوں نے

معیار بنادیا تھا۔ اس میں رسول اکرمؐ نے یہ اضافہ فرمایا کہ ناداروں، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو اس سے مستثنیٰ کردیا، یہ نظام نبویؐ دراصل مسلم اور غیر مسلم دونوں طبقات شہری کے درمیان توازن پیدا کرنے کی خاطر تھا۔ (مذکورہ بالا کتاب خاکسار کا باب چہارم؛ دیگر کتب سیرت: ابن اسحاق ر ابن ہشام، شبلی ۱/۴۹۸ و مابعد؛ یہاں یہ وضاحت کرنی ضروری ہے کہ جزیہ اسلامی نظام محاصل کا لازمی جزء نہیں ہے۔ وہ صرف ایک عصری ضرورت کے تحت اختیار کیا گیا تھا۔ اصل ہے اسلامی ریاست کے محاصل میں تمام شہریوں کا اپنے اپنے حصہ کے مطابق حصہ لینا۔ یہی وجہ ہے کہ بنو تغلب نے جزیہ کی جگہ زکوٰۃ کے برابر رقم دی تھی اور آپؐ نے اسے قبول کیا تھا)

مالی اصلاحات میں سود ورباء کی حرمت کے نفاذ کے بعد رسول اکرمؐ نے نہ صرف مسلمانوں کے لیے اسے حرام قرار دیا بلکہ غیر مسلموں میں یہود ونصاریٰ کو بھی اس سے باز رکھا کہ ان کی شریعت میں وہ حرام تھا اور اس سے عام زندگی میں استحصال کے سبب خرابی پیدا ہوتی تھی اور سود لینے والے افراد وطبقات کو ظلم وزیادتی کی عادت پڑجاتی تھی۔ نجران کے نصاریٰ کے ساتھ معاہدۂ نبویؐ کے صحیفہ میں سود لینے کی ممانعت کا واقعہ مذکور ہے اور بہت معنی خیز ہے۔ یہ کلی مصالح انسانیہ کا معاملہ ہے۔ (......اسلامی احکام کا ارتقاء، ۲۵۲-۲۶۱ و مابعد؛ الرسالات النبویہ، رسول نمبر نقوش ۱۹۸۲، ۲/۲۶۲-۲۶۳ وغیرہ)

غیر مسلموں سے معاہدہ کرنے کی اسلامی روایت کی شاید سب سے شاندار مثال قریش مکہ سے معاہدہ صلح حدیبیہ کی ہے لیکن اس سے قبل ہجرت مدینہ کے معا بعد کے زمانے میں رسول اکرمؐ نے قرب وجوار کے قبائل عرب، مزینہ، جہینہ، بنو مدلج، ہمزہ وغیرہ سے دفاعی معاہدے کیے تھے جو برابری اور مساوات کی سطح پر تھے۔ نجران کے نصاریٰ سے جو معاہدے آپؐ نے کیے تھے ان میں اسلامی ریاست کے نمائندوں کو بوقت ضرورت اسلحہ وہتھیار فراہم کرنے کی شق کے ساتھ ان کی اپنے گھروں میں ایک مدت تک میزبانی کی شق بہت اہم تھی۔ شمال وجنوب کے دوسرے عیسائی اور یہودی قبیلوں سے بھی بعض ایسے معاہدے کیے گئے تھے جو صلح وآشتی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی غالباً سب سے بڑی ضمانت فراہم کرتے ہیں۔ (ڈاکٹر محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسیۃ الخ؛ اردو ترجمہ نثار احمد فاروقی، نقوش رسول نمبر ۲/۱۷ ۲ و مابعد)

تمدنی اور تہذیبی اشتراک: ہر اچھی چیز اور حکمت کی بات مسلم کی متاع گم شدہ ہے اور اس لیے وہ اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے کہ جہاں پائے لے لے۔ رسول اکرمؐ نے صرف فرمان وقول سے اس کی وضاحت نہیں فرمائی بلکہ اپنے اسوہ وعمل سے اس کو جاری وساری کر کے فرمایا۔ مکی دور میں دین حنیفی کی تمام اقدار اور جاہلی روایات کی تمام طیبات کو رسول اکرمؐ نے اور صحابہ کرامؓ نے قبول بھی کیا۔ ان میں تمدنی اور تہذیبی امور ومعاملات شامل تھے جیسے نکاح، طلاق، خانگی معاشرت وغیرہ۔ ان چیزوں میں رسول اکرمؐ اور مسلمانوں نے اپنے غیر مسلم ہم وطنوں کے ساتھ نہ صرف اشتراک کیا بلکہ ان کو مزید جلا بخشی۔ (مکی اسوۂ نبوی کا باب اول؛ ان میں عقائد، احکام واعمال کے علاوہ معاشرتی رسوم بھی شامل تھیں جیسے ذبیحہ کا تصور وعمل، حرام وحلال کا خیال، نکاح وطلاق کے امور، تجہیز وتکفین اور تدفین کے معاملات، رضاعت وخون کے تعلقات ورشتے، خرید وفروخت کے معاملات، سنن موکدہ اور خصال فطرت جیسے وضو وغسل رطہارت، ختنہ، داڑھی رکھنا اور مونچھیں کترونا، لباس کی پاکی وغیرہ، بعض علوم وفنون بھی تھے جیسے نجوم، شاعری، ادب، تاریخ وغیرہ)

حبشہ میں مہاجرین مکہ کی سکونت وجوار نے مسلمانوں اور عیسائی طبقات وافراد کے درمیان سب سے زیادہ تمدنی اشتراک کیا۔ مسلم افراد - مردوں عورتوں اور بچوں نے حبشی زبان سیکھی اور کئی دوسرے تمدنی معاملات بالخصوص لباس وخوراک اور علاج ومعالجہ میں ان سے بہت کچھ حاصل کیا۔ عورتوں کے جنازے پر گہوارہ بنانے کا طریقہ حبشی تھا۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ اور حضرت اسماء بنت عمیس زوجہ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے اس کو وہاں دیکھا اور مدینہ منورہ میں رسول اکرمؐ کی بڑی دختر حضرت زینبؓ کے جنازے میں استعمال کرنے کا مشورہ دیا جو رسول اکرمؐ نے قبول فرمایا کہ وہ زیادہ ساتر، زیادہ خوبصورت اور زیادہ پاکیزہ تھا۔ اس دن سے یہ سنت بن گیا۔ رسول اکرمؐ کے مرض الوفات میں "لدود" کا جو طریقہ علاج یا دوا دار واختیار کی گئی تھی وہ بھی حبشہ کا علاج معالجہ تھا۔ آپؐ کی ناپسندیدگی اس دوا یا طریقہ علاج پر نہ تھی بلکہ آپ کی مرضی کے خلاف آپؐ کی بیہوشی کے عالم میں اس کا جبراً اطلاق تھا۔ (مکی اسوۂ نبویؐ، باب سوم بالخصوص ۱۲۷-۱۴۱ وما بعد؛ بخاری ومسلم رکتاب الجنائز؛ مختلف ابواب؛ نیز کتاب المغازی، باب مرض النبیؐ؛ کتاب الادب کے مختلف ابواب بابت حبشی زبان وغیرہ)

بہت سے دوسرے معاشرتی اور تہذیبی معاملات میں عرب مسلمانوں نے عہد نبویؐ کے دونوں ادوار طیبہ میں ایران و مجوس اور روم و بازنطین اور حبشہ و مصر کے صالح طریقوں، عمدہ اور پاکیزہ کھانوں اور ستھرے اور نفیس لباسوں اور متعدد دوسری چیزوں کو اختیار کر کے رواج دیا۔ اس کی وجہ سے روم کے تجار اور دوسرے ممالک کے دوکاندار مکہ و مدینہ پہنچتے اور تجارت کو فروغ دیتے تھے۔ غیر مسلموں سے صالح اور تہذیبی چیزیں سیکھنے اور اختیار کرنے کا باب بہت وسیع ہے اور پورے تحقیقی دفتر کا طالب ہے۔ چند مثالوں سے اس کو واضح کیا جاسکتا ہے: حضرت زید بن ثابت خزرجیؓ کو یہود کی زبان اور ان کے صحیفہ سیکھنے کا حکم خود آپؐ نے دیا تھا۔ جس طرح اس سے قبل غیر مسلم اسیران بدر سے مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت آپؐ نے کروائی تھی۔ صحابیاتؓ نے خاص کر پارچہ بافی کے بعض طریقے غیروں سے سیکھے تھے جن میں عیسائی عرب اور رومی باشندے دونوں شامل تھے۔ سناری اور زیورات بنانے کے طریقے یا فنون یہودیوں سے سیکھے تھے۔ (بحث و حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو: عہد نبوی کا تمدن، مختلف ابواب؛ بخاری، کتاب اللباس و کتاب الادب کے ابواب؛ شبلی ۳۴۲/۱، ۳۹۴ وغیرہ)

مختصر تنقیدی تجزیہ: تہذیب و ثقافت کے مشترکہ اقدار و عناصر غالباً سب سے زیادہ اہم اور حساس دین و مذہب سے متعلق ہوتے ہیں۔ اسی جذبہ و جذباتی وابستگی سے دوسرے سماجی رسوم و آداب اور معاملات میں حساسیت اور انفرادیت بھی آتی اور کاریگری کرتی ہے۔ قریش مکہ اور عربوں کے دین ابراہیمی کی صالح روایات اور پاکیزہ معمولات نے ان کو اپنے اصل دین و عقیدہ اور اعمال سے جوڑے رکھا تھا۔ اسی طرح یہود و نصارائے عرب اور دوسرے پیروان مذاہب کا جذباتی تعلق اپنے اپنے مذہب و دین اور تہذیب و ثقافت سے بھی تھا۔ ان تمام مذاہب میں بالخصوص سامی مذاہب میں ملت ابراہیمی کے بزرگ تر اور اساسی سرچشمے سے ان کی وابستگی کا اجتماعی شعور بھی تھا۔ رسول اکرمؐ نے اپنے اولین مخاطبین قریش مکہ، عرب قبائل اور یہود و نصاریٰ کو اسی اصل مذہب و دین کی طرف پلٹ آنے کی دعوت دی تھی کیونکہ سب پیروان مذاہب کو اصل سرچشمہ - دین حنیفی - سے نہ صرف وابستگی کا دعویٰ تھا بلکہ اس پر افتخار بھی تھا۔

قرآن مجید کی متعدد آیات کریمہ، بالخصوص آل عمران: ۶۴-۶۸، اہل کتاب اور پیروان

دین ابراہیمی کو اسی "کلمہ سواء" کی طرف بلاتی ہیں، عرب جاہلی کے طبقات وقبائل کو اس اصل کی طرف بلانے کے علاوہ ان کی مشترکہ دینی وثقافتی اقدار ورسوم نے خاصا کام کیا تھا۔ (مذکورہ بالا آیات کریمہ کا ترجمہ ہے: "اے کتاب والو! آؤ ایک سیدھی بات پر، ہمارے تمہارے درمیان کی، کہ بندگی نہ کریں مگر اللہ کی، اور شریک نہ ٹھہرائیں اس کی کوئی چیز، اور نہ پکڑیں آپس میں ایک ایک کو رب، سوا اللہ کے، پھر اگر وہ قبول نہ رکھیں تو کہو: شاہد رہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔ اے کتاب والو! کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم پر؟ اور توریت اور انجیل تو اتریں اس کے بعد، کیا تم کو عقل نہیں؟ سنتے ہو، تم لوگ جھگڑ چکے جس بات میں تم کو خبر تھی، اب کیوں جھگڑتے ہو جس بات میں تم کو خبر نہیں، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے، ابراہیم یہودی نہ تھا اور نہ تھا نصرانی لیکن تھا ایک طرف کا حکم بردار (حنیف مسلم) اور نہ تھا شرک والا، لوگوں میں زیادہ مناسبت ابراہیم سے ان کو تھی جو ساتھ اس کے تھے اور اس نبی کو اور ایمان والوں کو اور اللہ والی ہے مسلمانوں کا"۔ عبدالقادر دہلوی)

دین حنیفی کی مشترکہ اقدار وعقائد اور اعمال میں اصول ومبادی کا اتفاق تھا جس سے یہود ونصاریٰ کو بھی اتفاق تھا۔ توحید ورسالت وآخرت کے تین بنیادی عقائد اور ان سے وابستہ دوسرے عقائد تمام عربوں، یہودیوں اور عیسائیوں میں مشترک تھے۔ اعمال وارکان دین میں نماز رصلوٰۃ، زکوٰۃ رصدقہ، روزہ رصوم اور حج وعمرہ کے فرائض کے علاوہ دوسرے سنن ونوافل کا بھی اشتراک تھا۔ شرائع رقانونی احکام میں بھی بیشتر پر اتفاق واشتراک تھا، صرف چند پر اختلاف تھا۔ کلی اختلاف شرائع کا خیال خام ہے۔ دین ومذہب کے تیسرے شعبہ اخلاق کے رذائل و فضائل پر ان میں اختلاف کا امکان بھی نہیں تھا کہ وہ خالص فطری اور جبلی فطرتیں تھیں۔ اختلاف ونزاع کی جڑ اصل سے انحراف وتجاوز تھا جو عرصۂ جہالت میں ان کے بعض اکابر وارباب نے اپنے اوہام سے پیدا کر دیا تھا۔ ان بدعات وانحرافات کو دین ومذہب اور شریعت وثقافت کے بنیادی اور ناگزیر حصے بنا دینے کے سبب ان سے شیفتگی پیدا ہوگئی تھی جس نے جذباتیت وحساسیت کو اتنا ابھارا کہ اشتراک واتفاق کے تمام عناصر او جھل اور اختلاف ونزاع کے معاملات کارگر ہوگئے۔ رسول اکرمؐ کے آخری دین وثقافت نے بین الملی اور بین الاقوامی اتفاق واشتراک پر زور دے کر اصل سرچشمہ سے کوڑے کرکٹ کو صاف کر دیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (احمد بن عبدالرحیم فاروقی ۱۱۱۴/ ۱۷۰۳-۱۱۷۶/ ۱۷۶۲ء) نے اپنی ایک معرکہ آراء بحث میں یہ ثابت کیا ہے کہ نبی مکرمؐ اپنے زمانے میں اپنی قوم و ملک کی ثقافت و تہذیب میں سب کچھ نہیں مٹا دیتے بلکہ وہ صالح چیزوں کو برقرار رکھتے تھے۔ خس و خاشاک کو دور کردیتے تھے اور جن چیزوں کا زمانہ تقاضا کرتا تھا ان کا اضافہ فرما دیتے تھے۔ حضرت محمد رسول اللہؐ نے بھی بطور خاتم النبیین و پیغمبر آخرالزماں یہی تینوں کام انجام دیے، اس امتیاز کے ساتھ کہ ان میں آفاقیت پیدا کردی، توحید کو خالص کرکے شرک کے تمام شائبے جو پیروان دین حنفی نے عرب قبائل میں، یہود و نصاریٰ نے اپنے علاقوں میں ایجاد کرلیے تھے دور کردیے۔ رسالت کے باب میں آپؐ کا کارنامہ اور مسلمانوں کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ تمام سابق نبیوں اور رسولوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا جبکہ یہود نے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کا اور نصاریٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اور دوسروں نے سب کا انکار کرنا اپنے ایمان کا جزو بنالیا تھا اور آج بھی یہی صورت حال ہے کہ وہ سب رسول اکرمؐ کی رسالت کے منکر ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ تمام غیر مسلموں نے رسول اکرمؐ، قرآن مجید اور اسلام تینوں سے استہزاء کرنا، ہدف طعن و تشنیع بنانا اور ان کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرنا اپنا وطیرہ بنالیا ہے، حالانکہ ان کا مذہب اور ان کی ثقافت دونوں اس کی اجازت نہیں دیتے۔ اس کے برخلاف مسلمانوں نے کسی بھی سابق نبی و رسول اور ان کے دین و مذہب کے خلاف ایک لفظ نہیں کہا اور نہ لکھا، بلکہ ان کا ہر طرح احترام و تقدس بنائے رکھا۔ جو کچھ نقد و رد کیا وہ ان کی بدعتوں پر ہی کیا۔ رسول اکرمؐ نے عیسائیوں کی طرح اپنی عظمت و تقدس میں غلو کرنے سے روکا اور مسلمانوں کو سابق انبیاء سے تقابل میں تجاوز سے منع فرمایا۔ حالانکہ آپؐ خاتم المرسلین ہونے کے سبب سید الانبیاء بھی ہیں اور مسلمانوں نے ان ہدایات نبوی پر ہر دور میں پورا پورا عمل کیا اور اسوۂ حسنہ پیش کیا۔ (شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ۱/ ۲۴۱ و مابعد (رشیدیہ طباعت)؛ بحث کے لیے اسلامی احکام کا ارتقاء، ۱۳-۲۳ و مابعد)

اسلامی دین و ثقافت کا ایک اور طرۂ امتیاز عہد نبویؐ سے آج تک یہ بھی ہے کہ اس نے شرف آدمیت کا اعتبار کیا۔ تمام "بنی آدم" کی مشترکہ میراث دین و ثقافت کا تصور و نظریہ صرف اسلام اور مسلمانوں میں پایا جاتا ہے اور عہد نبوی میں اس کو برت کر دکھایا گیا۔ بہت سوں کو حیرت

ہوگی اور بہت سی جبینوں پر شکنیں بھی پڑیں گی کہ دین و شریعت کے معاملات میں بھی شرف آدمیت کا لحاظ کیا گیا۔ سماجی معاملات اور ثقافتی امور میں اس کا اعتبار ذرا سمجھ میں آنے والی چیز ہے کہ ان کو دین و مذہب کا لازمی حصہ بالعموم نہیں سمجھا جاتا ہے، حالانکہ تہذیب و معاشرت دونوں کی ترکیب و ساخت و پرداخت میں دین و مذہب کا بنیادی اور اصلی حصہ ہوتا ہے بلکہ وہی کارفرما ہوتا ہے۔ غیروں کے دین و مذہب کا احترام کرنا، ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہنا، ان کے مذہبی ارکان و رسوم کو تسلیم کرنا، عہد نبویؐ کی تعلیمات میں شامل تھا اور آج بھی وہ آیات کریمہ اور احادیث شریفہ مسلمانوں کے معمولات حسنہ میں شامل و داخل ہے۔

شرف آدمیت اور اشتراک مذہب و ثقافت دونوں نے مل کر عہد نبوی میں مختلف مذاہب کے پیروؤں کے درمیان وسیع ترین تعلقات و روابط استوار کیے تھے جو زندگی کے تمام شعبوں کو محیط و حاوی تھے۔ مکی عہد اور حبشی اور مہاجرت میں مسلمانوں نے بطور اقلیت اپنے معاصرین غیر مذہب والوں کے ساتھ ہر طرح کا اشتراک کیا۔ مدنی دور میں اسلامی ریاست کے قیام وارتقاء کے زمانے میں بطور اکثریت و حکمراں دوسروں کے ساتھ ایسا بہتر تعاون کیا کہ دوسرے دور میں غیر مسلموں سے مسلمانوں کے دینی، سماجی، معاشرتی، سیاسی، اقتصادی اور تہذیبی و ثقافتی تعلقات کا اسلامی اسوہ بن گیا ہے۔

اسلام کی جو دعوت مکی دور میں محدود پیمانے پر دی گئی تھی وہ وسیع تر ہوگئی، زیرنگیں غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کا اسوۂ کاملہ پیش کیا گیا، ان کو ان کے تمام مذہبی، دینی اور معاشرتی رسوم میں آزادی دی گئی۔ ان کی عبادت گاہوں کا تحفظ کیا گیا، ان کے بزرگوں کا احترام کیا گیا، ان کے خاص مراسم و عبادات و معاملات کا پروقار تحفظ کیا گیا۔ ایسا اشتراک و توافق اور احترام و تقدس کاہے کو کبھی زیر آسمان دیکھا گیا ہوگا، حنفی، یہودی و نصرانی کے پاکیزہ روایات و اقدار اور اعمال و اشغال اپنا لیے گئے: صوم عاشوراء، قبلہ اسلامی، تقدیس بیت المقدس تو صرف چند مظاہر ہیں۔

معاشرت اور سماجی اختلاط و ملاطفت کا میدان وسیع ترین تعلقات اور محبت آگیں تر معاملات کو اور زیادہ اجاگر کرتا ہے۔ غیر مسلم رشتہ داروں، والدین اور دوسرے اصحاب قرابت کو اسی طرح مسلمانوں کی کفالت و پرورش کا مستحق بنایا گیا جس طرح مسلم اہل قرابت کا، انفرادی سلوک کے

بالمقابل ریاستی اور تنظیمی ارتباط کا معاملہ احسان پر رکھا گیا۔ غیر مسلم پڑوسی ہوں یا اہل محلہ یا دوسرے باشندگان ریاست ان کے حقوق کفالت ونگہداشت کو تسلیم کر کے ان پر عمل کیا گیا۔ ان کے دکھ سکھ میں شرکت کی گئی اور ان کے غموں کا مداوا کیا گیا۔ معاشرت عام کے میدان میں رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ نے ہر صالح میل جول کو نہ صرف جائز رکھا بلکہ ان کو ترقی دی۔ ان کا کھانا پینا اور ذبیحہ حلال قرار دیا گیا، ماکولات ومشروبات میں اشتراک رہا، ہدایا وتحائف کا تبادلہ کیا گیا۔ ان کی عورتوں سے نکاح ومعاشرت کو جائز قرار دیا گیا۔ ان کے ساتھ تمام حلال وجائز صورتوں میں مسلمانوں جیسا ربط رکھا گیا۔ تجارت و اقتصاد میں ان کے ساتھ باہمی تعاون پہلے کی طرح جاری رہا۔ تہذیبی لین دین اور معاشرتی وثقافتی عطایا میں یہ حکیمانہ طریق وعمل رہا کہ ہر اچھی چیز مسلمانوں کی گم شدہ متاع ہے اور وہ اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ لہذا ان سے علوم وفنون اور حکمت وفراست کے معاملات سیکھے اور ان کو سکھائے اور تہذیب انسانی کلی کی وہ داغ بیل ڈالی جو تمام ادوار کے مسلمانوں کے لیے اسوۂ حسنہ اور غیروں کے لیے مثالِ عبرت بن گئی۔

صحیح بخاری کا ایک مطالعہ
مصدر سیرت کی حیثیت سے

محمد عارف اعظمی عمری٭

رسول اکرمؐ کی حیات طیبہ کا عنوان اگر ایک جانب مسلمانان عالم کی والہانہ گرویدگی، بے پناہ عقیدت و محبت اور جذبۂ شوق کے بے تابانہ اظہار کا میدان ہے تو دوسری طرف آپ کا اسوۂ حسنہ، تشریع احکام کے باب میں ماخذ دوم کا درجہ رکھنے کی وجہ سے نقل و روایت میں غایت درجہ احتیاط کا متقاضی بھی ہے۔قرآن مجید میں اسوۂ رسولؐ کی حیثیت یہ بتائی گئی ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم:۳۔۴)
اور رسول نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے، یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا۔

اور امت کو اسوۂ نبیؐ کی متابعت و پیروی کا حکم یوں دیا گیا:

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر:۷)
اور جو دے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو۔

نیز اسوۂ رسولؐ کا دائرہ محض ارشادات و فرمودات تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ پیغمبر کی پوری زندگی مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہے، ارشاد باری ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب:۲۱)
تمہارے لیے بھلی تھی سیکھنی رسول اللہ کی چال۔

مگر یہ ایک مسلمہ صداقت ہے کہ آنحضرتؐ کا تذکرہ فاتحین عالم کے طرز پر مغازی و سیر کے عنوان سے کیا گیا اور اس ضمن میں جو مجموعہ ہائے روایات یکجا کیے گئے ان میں بالعموم تشریع احکام

٭دارالعلوم عزیزیہ، نیا نگر، میرا روڈ، ممبئی۔

کا پہلو ناپید رہا۔ یہی وجہ ہے کہ مغازی وسیر کی کتابوں میں ہر طرح کی رطب ویابس روایتیں راہ پا گئیں اور ان کی تنقیح کی ضرورت بھی نہیں سمجھی گئی۔ اس کے برعکس احادیث نبویہ کے جمع وترتیب کا فریضہ خالص تشریع احکام کے جذبہ سے انجام پایا اس لیے اس کی مرویات کے اخذ ونقل اور قبول و رد کے ضابطے مقرر کیے گئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ محدثین کرام کی جماعت نے علم حدیث اور اس کے اصول کے باب میں جو کارنامے انجام دیے ہیں اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ موضوع کی یکسانیت کے باوجود علم حدیث اور فن سیر ومغازی کی جداگانہ حیثیت ہر عہد وماحول میں تسلیم کی گئی۔ بعض کتب سیرت میں گو احادیث نبویہ کا بہ کثرت استعمال کیا گیا ہے جیسے علامہ ابن القیمؒ کی زاد المعاد فی ہدی خیر العباد مگر یہ کتاب بھی زمرۂ سیرت ہی میں شمار کی جاتی ہے کیونکہ اس کا مقصد تالیف تشریع احکام نہیں بلکہ سیرت نگاری ہے۔

مزید برآں حیرت انگیز امر یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے ہر دور میں سیرت پر کتابیں لکھی گئیں مگر اصول سیرت مرتب نہیں کیے گئے، جیسے علم تاریخ میں درجنوں تصانیف مرتب اور مشتہر ہوئیں اور ایک طویل عرصہ کے بعد علامہ ابن خلدونؒ نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں تاریخ نویسی کے اصول وآداب تحریر کیے۔ فن سیرت کے باب میں یہ بات بلا مبالغہ کہی جاسکتی ہے کہ علامہ شبلی نعمانیؒ کی شاہکار تصنیف "سیرۃ النبیؐ" کا مقدمہ اصول سیرت کا نقش اول ہے، مگر اسی کے ساتھ ہمارا یہ تاثر ہے کہ متقدمین کی صفوں میں یقیناً ایسے لوگ موجود تھے جو اصول سیرت کی ضرورت کو محسوس کرتے تھے۔ ہمارے ناقص مطالعہ کے مطابق الجامع الصحیح کے مولف امام بخاریؒ ان ہی لوگوں میں شامل ہیں جنہوں نے اصول سیرت کی جانب اشارے کیے ہیں۔

اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری اور اس کے مولف امیر المومنین فی الحدیث امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ کی جلالت شان اور مرتبہ ومقام پر خامہ فرسائی سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے تاہم اہل علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ الجامع الصحیح کی ترتیب وتبویب محدثین کرام کے عام طرز تالیف سے جدا ہے اور اس کتاب میں بعض مجموعہ ابواب ایسے ہیں جو حدیث کی دوسری کتابوں میں موجود نہیں ہیں۔ اسی بنا پر صحیح بخاری کے رمز شناسوں کا یہ تاثر ہے کہ اس کتاب میں بدء الخلق، احادیث انبیاء، مناقب اور مغازی کے عنوان سے مذکور بالترتیب چار

مجموعہ ہائے ابواب دراصل فن سیرت کے آئینہ دار ہیں۔ بخاری کے مستند اور موقر شارح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کتاب بدء الخلق کو اس سلسلہ کا جزء نہیں قرار دیتے مگر دوسرے شارحین اس مجموعہ کو تمہید سیرت گردانتے ہیں۔ حافظ ابن حجر کتاب المناقب کو احادیث انبیاء کا ایک حصہ بتاتے ہوئے اپنے نقطۂ نظر کو یوں بیان کرتے ہیں:

كذا في الاصول التي وقفت عليها من كتاب البخاري وذكر صاحب الاطراف وكذا في بعض الشروح انه قال "كتاب المناقب" فعلى الاول هو من جملة كتاب احاديث الانبياء وعلى الثاني هو كتاب مستقل والاول اولى فانه يظهر من تصرفه انه قصد به سياق الترجمة النبوية بان يجمع فيه امور النبي ﷺ من المبدأ الى المنتهى فبدأ بمقدماتها من ذكر ما يتعلق بالنسب الشريف فذكر اشياء تتعلق بالانساب ومن ثم ذكر اموراً تتعلق بالقبائل ثم النهى عن دعوى الجاهلية لان معظم فخرهم كان بالانساب ثم ذكر صفة النبي ﷺ وشمائله و معجزاته واستطرد بها لفضائل اصحابه ثم اتبعها باحواله قبل

میں نے صحیح بخاری کے اصل نسخوں میں مناقب کے باب کو بدون انقطاع پایا ہے، البتہ صاحب اطراف اور بعض شارحین نے کتاب المناقب کی سرخی قائم کی ہے۔ پہلے نقطۂ نظر کے مطابق ابواب مناقب احادیث انبیاء ہی کا حصہ ہیں اور دوسرے طرز تحریر کے موافق یہ ایک علاحدہ کتاب ہے مگر اول الذکر نقطۂ نظر ہی زیادہ درست ہے کیونکہ امام بخاری کے طرز عمل سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ اس مخصوص حصہ میں آنحضرتؐ کے جملہ امور حیات کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ بطور مقدمہ کے نسب شریف اور نسب ناموں سے متعلق بعض جزئیات نقل کیں، پھر قبائل کا تذکرہ کرتے ہوئے رسم جاہلیت کی ممانعت کو پیش کیا کیونکہ اہل عرب کے یہاں عام طور پر نسب ناموں ہی پر فخر وغرور کی روایت تھی، اس کے بعد آنحضرتؐ کا حلیہ مبارکہ، شمائل اور معجزات تحریر فرمائے اور اضافی طور پر اصحاب رسولؐ کا بھی تذکرہ کیا، پھر دوبارہ اصل

الهجرة وما جرى له بمكة فذكر المبعث ثم اسلام الصحابة وهجرة الحبشة والمعراج و وفود الانصار والهجرة الى المدينة ثم ساق المغازى على ترتيبها عنده ثم الوفاة فهذا آخر هذا الباب وهو من جملة تراجم الانبياء وختمها بخاتم الانبياء (۱)	عنوان کے تحت آنحضرتؐ کی قبل ہجرت زندگی اور مکہ مکرمہ کے مشکلات کا بیان، بعثت، اسلام صحابہ، ہجرت حبشہ اور واقعۂ معراج کے ضمن میں کرتے ہوئے وفود انصار کی آمد اور ہجرت مدینہ کی بعض تفصیل درج کی، اس کے بعد اپنی قائم کردہ ترتیب کے موافق مغازی کی تفصیل نقل کی، پھر وفات کا بیان درج کیا اور ایک طرح سے حضرات انبیاء کرام کے سیر کا یہ آخری حصہ ہے جس کو خاتم الانبیاء کے ذکر پر اختتام کو پہنچایا۔

صحیح بخاری کے متذکرہ بالا مجموعہ ابواب سیرت میں کتاب بدء الخلق کی شمولیت کے موقف کی توضیح کے لیے مولانا محمد عثمان غنی استاد حدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور کا یہ بیان نقل کرنا موزوں رہے گا، وہ لکھتے ہیں:

”صحیح بخاری شریف تمام محدثین کے نزدیک بالاتفاق جامع ہے جو انواع ثمانیہ پر مشتمل ہے۔ سیر و آداب تفسیر و عقائد فتن و احکام اشراط و مناقب۔

انواع ثمانیہ میں سے ایک نوع سیر ہے، جو تاریخ کا ایک شعبہ ہے۔ تاریخ قدیم ترین علم ہے جس کا تعلق ابتدائے آفرینش سے ہے جسے بدء الخلوق کہتے ہیں، پھر اس کے دو حصے ہوگئے ایک کا تعلق سلطانی قوت و جبروت، حکومت و حکمرانی کے مظاہر سے ہے اور دوسرے کا تعلق کسی اصلاح شعار شخصیت کے جمال جہاں آراء کے پرتو سے، دوسرے حصے کو اسلامی تاریخ اور سیرت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امام بخاریؒ نے تاریخ کی داغ بیل جلد اول ہی کے اخیر میں ڈال دی چنانچہ تیرہویں پارے کا آغاز کتاب بدء الخلق سے فرمایا ہے، جس میں عرش الٰہی کی تخلیق پھر زمین و آسمان، چاند سورج، ملائکۃ اللہ اور جنت و جہنم کے متعلقہ روایات کو بیان فرمایا۔ پھر کتاب الانبیاء کا عنوان قائم کر کے انبیائے کرام کا ذکر فرمایا، پھر کتاب المناقب کے عنوان

سے سید الانبیاء والمرسلینؐ واصحاب کرامؓ کا ذکر فرمایا۔

اور سیرت سید الانبیاءؐ واصحاب کرامؓ کا ایک بڑا باغ اور عظیم باب مغازی ہے جس کے لیے امام بخاریؒ نے کتاب المغازی کا ترجمہ قائم کر کے ان روایات واحادیث کو پیش کیا جن میں غزوات وسرایا کا ذکر ہے۔(۲)

صحیح بخاری کے اسی متعینہ حصہ سیرت کا ایک طالب علمانہ مطالعہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کے نتیجہ میں سیرت نویسی کے جو رہنما اصول ہاتھ آئے ہیں ان کو اہل علم کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کی گئی ہے۔

تخلیق انس کے مقصد اصلی کو دیباچہ سیرت بنانا: عام طور پر کتب سیرت میں حضرت آدمؑ کی تخلیق اور روئے زمین پر ان کے بھیجے جانے یا عرب کے محل وقوع اور مکہ مکرمہ کی آبادی کو دیباچہ سیرت بنایا جاتا ہے۔ امام بخاریؒ نے کتاب بدء الخلق کے ابواب میں حضرت آدمؑ کے وجود سے قبل تخلیق کائنات کو تمہید سیرت بنایا ہے اور حضرت آدمؑ اور ان کی اولاد کے مقصد تخلیق کی وضاحت کرتے ہوئے اس کو دو چیزوں سے عبارت بتایا ہے اول اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت ویکتائی کو تسلیم کرنا، دوسرے بعث بعد الموت کا یقین کرنا۔(۳)

پھر کتاب احادیث الانبیاء میں ان برگزیدہ لوگوں کا ذکر کیا ہے جو انسانوں کے اس مقصد حیات کو ذہن نشین کرانے کے لیے اس کارخانہ عالم میں وقفہ وقفہ سے تشریف لائے اور اسی قافلہ رشد وہدایت کے آخری فرد آنحضرت محمد ﷺ تھے۔

انبیائے سابقین اور صلحائے زمانہ کے تناظر میں تالیف سیرت: سیرت کی کتابوں میں بالعموم انبیائے سابقین اور خاتم النبیینؐ کے مابین تقابل وموازنہ کا انداز پایا جاتا ہے اور یہ شعر سیرت کے موضوع پر زبان زد خاص وعام ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری   آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

امام بخاریؒ نے سیرت نگاری کے اس طریق کو پسند نہیں کیا ہے بلکہ انبیائے سابقین اور صلحائے قوم کے تناظر میں سیرت رسول اکرمؐ کو پیش کرنے کی دعوت دی ہے۔ کتاب احادیث الانبیاء کے مطالعہ سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کی نسل میں پیدا ہونے والے تمام انبیاء و

صالحین ہم مشرب وہم مزاج تھے اور ان کی ارواح جنود مجندہ ہیں۔(۴)

احادیث الانبیاء کے دوسرے باب "قول اللّٰہ تعالیٰ واذ قال ربك للملائكة انی جاعل فی الارض خلیفة" کے ضمن میں امام بخاریؒ نے جو روایتیں نقل کی ہیں وہ سب کی سب حضرت آدمؑ کے وجود سے مشتق نسل انسانی کے ذکر پر مشتمل ہیں۔اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ خلافت کا مفہوم ان کے نزدیک نسل انسانی کا توالد وتناسل کے ذریعہ ایک دوسرے کی جانشینی کرنا ہے۔جانشینی کا رشتہ بالعموم جسمانی نوعیت کا سمجھا جاتا ہے،مگر امام بخاریؒ نے جانشینی کے معروف سلسلہ نسبی کے بجائے سلسلہ انبیائی کو ترجیح دی ہے اور اس کی مرتب عہد بہ عہد تاریخ لکھی ہے۔

چنانچہ اس روئے زمین کے پہلے پیغمبر حضرت نوحؑ کا مستدل حدیث شفاعت کے اس حصہ کو بنایا (یا نوح انت اول الرسل الی اهل الارض) یعنی لوگ میدان محشر میں کہیں گے کہ اے نوح آپ روئے زمین کے لوگوں کی طرف بھیجے گئے پہلے رسول ہیں پھر حضرت الیاسؑ کا زمانہ بتایا اور ان کے تقدم زمانی کی دلیل میں آیت (وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ...... وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ) پیش کی۔اس کے بعد حضرت ادریسؑ کا عہد بتایا۔پھر حضرت ہودؑ اور ان کی قوم عاد کا ذکر کیا۔اس کے بعد حضرت صالحؑ اور ان کی قوم ثمود کا عہد بتایا (۵) پھر یاجوج ماجوج کا قصہ ذکر کر کے حضرت ذوالقرنین کے زمانہ کی تعیین کی (۶) پھر حضرت ابراہیمؑ اور ان کے فرزندگان کا اور تعمیر خانہ کعبہ کا عہد بتایا بعد ازاں حضرت یعقوبؑ کے ذکر سے خاندان بنی اسرائیل کے انبیاء وصلحاء کی مسلسل تاریخ پیش کی۔

انبیائے سابقین اور ان کے منہج پر زندگی گزارنے والوں کا کتاب احادیث الانبیاء میں تفصیلی ذکر غالباً اسی لیے کیا گیا ہے کہ اسی نہج کو تالیف سیرت میں اختیار کیا جائے اور یہ اسلوب تحریر وبیان قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر وتشریح بھی ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ	اور محمدؐ تو ایک رسول ہیں،گزر چکے ان سے
مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران:۱۴۴)	پہلے بہت سے رسول۔

قریش کے نسلی تفوق کی نفی اور حقیقی اسباب فضیلت کا بیان: صحیح بخاری میں کتاب احادیث الانبیاء کے بعد متصلاً کتاب المناقب ہے جس کی ابتداء آنحضرتؐ کے قبیلہ مضر اور خاندان قریش

کی فضیلت کے بیان سے ہوئی ہے اور اسی مقام سے اصل مضمون سیرت کا آغاز ہوا ہے۔ امام بخاری نے قبائل وشعوب کو محض معرفت وپہچان کا ذریعہ قرار دیا ہے اور فضیلت کا اصل معیار تقویٰ وپرہیز گاری کو بتایا ہے۔ ان کی نقل کردہ روایت کے مطابق جس خاندان میں کئی نسلوں تک صلاح وتقویٰ کا تسلسل بلا انقطاع کے قائم رہے وہی خاندان معزز اور شریف کہلائے گا۔ جیسا کہ حسب ذیل روایت میں ہے:

قیل یا رسول اللّٰہ من اکرم الناس قال اتقاھم قالوا لیس عن ھذا نسألك قال فیوسف نبی اللّٰہ (۷)

رسول اللہؐ سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں معزز کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا جو زیادہ پرہیز گار ہو، صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہمارے سوال کی یہ منشا نہیں ہے، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا (اگر نسب کے اعتبار سے پوچھتے ہو) تو پیغمبر خدا حضرت یوسفؑ ہیں۔

ظاہر ہے حضرت یوسفؑ کو خاندانی دین داری کے لحاظ سے جو فضیلت حاصل ہے وہ محتاج تشریح نہیں ہے۔ وہ خود اور ان کے والد حضرت یعقوبؑ، دادا حضرت اسحاقؑ اور پردادا حضرت ابراہیمؑ سب کے سب مقبولان بارگاہِ الٰہی تھے مگر برادران حضرت یوسفؑ باوجودیکہ یکساں نسبی تعلق رکھتے تھے اس مقام بلند کے حامل نہ تھے۔

امام بخاریؒ نے قبیلہ مضر کے عز وشرف کی بنیاد حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ہونا بتایا ہے اور یہ رتبہ اہل یمن کو بھی حاصل ہے۔ کیونکہ وہ بھی حضرت اسماعیلؑ سے نسبی تعلق رکھتے تھے۔ البتہ قریش کو مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر مزید فضیلت حاصل ہے۔

۱- قرآن مجید کا قریش کے لہجہ میں نازل ہونا۔ یعنی نزول قرآن مجید کی برکت سے ان کے لہجہ وزبان کو عزت وتکریم حاصل ہوئی۔

۲- چاہ زمزم کا ان کے درمیان وجود اور ظاہر ہے کہ یہ خالص عطیہ الٰہی ہے اور اہل مکہ اور زائرین حرم کی زیست کا غیبی سامان ہے۔ (۸)

فضیلت قریش کے باب میں امام بخاریؒ کے اشارات کی روشنی میں کتب سیرت کی ان روایتوں پر ناقدانہ نظر ڈالنے کی ضرورت ہے جن میں قریش کی عظمت وبزرگی کو اس طور سے پیش کیا

گیا ہے کہ انعام خداوندی کا پہلو دب کر رہ جاتا ہے۔

اسی طرح ماء زمزم کی دولت جس سے اہل مکہ کو نوازا گیا اس کے ایک طویل عرصہ تک ناپید ہو جانے اور حضرت عبدالمطلب کے ہاتھوں بئر زمزم کی دوبارہ کھدائی اہل سیر کی مشہور روایت ہے۔ اشارۂ صحیح بخاری کی روشنی میں اس امر کی تحقیق بہر حال کی جانی چاہیے کہ اس اثناء میں اہل مکہ اور زائرین حرم کی آبی ضرورت کس طرح پوری ہوتی تھی۔ آج کے غیر معمولی ترقی یافتہ اور صنعتی دور میں وادی مکہ کی سیرابی بئر زمزم کی مرہون منت ہے تو آخر کن وسائل کی بنیاد پر اہل مکہ ایک طویل عرصہ تک بئر زمزم سے اس قدر بے نیاز ہو گئے کہ نہ صرف کنواں پٹ گیا بلکہ اس کا نام ونشان بھی کسی کو یاد نہ رہا۔

پیغمبرؐ کے جسمانی قرابت داروں کے ساتھ ان کی دعوت کے اعوان وانصار کا تذکرہ: کتب سیرت کا ایک اہم عنوان بنو ہاشم اور بنو عبد مناف کی مفصل تاریخ اور آپؐ کے اعزہ واقربا کا تذکرہ ہے۔(۹) صحیح بخاری کے مطالعہ کی روشنی میں پیغمبرؐ کے قرابت داروں کا تذکرہ دولت اسلام اور نصرت دین کے ساتھ مشروط ہے۔ چنانچہ کتاب المناقب میں آپؐ کے والد عبداللہ، دادا عبدالمطلب اور والدہ آمنہ کا سرے سے کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے، جب کہ اس مجموعہ ابواب میں آپؐ کے ذاتی اوصاف و کمالات، اسم وکنیت اور حلیہ وشمائل کا مفصل تذکرہ ہے۔ آپؐ کے مشفق چچا ابو طالب دولت ایمان سے محرومی کے نتیجہ میں اس تذکرہ کے مستحق نہ ٹھہرے، جیسا کہ ذکر ان کے فرزندگان عالی مقام حضرت جعفرؓ اور حضرت علیؓ کا ہے۔ خاندان رسالت مآبؐ کے غیر مسلم اعزہ واقرباء کے بجائے دعوت دین پر جان نچھاور کرنے والے مہاجرین وانصار صحابہ کرام کا مفصل تذکرہ درحقیقت پیغمبرؐ کے معنوی کنبہ کی تشریح وتوضیح ہے۔

اس حصہ میں ازواج واولاد کا بیان بھی اختصار کے ساتھ ہے۔ امہات المومنین میں صرف حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ کا ذکر ہے اور اس کا سبب اول الذکر کی تائید ونصرت دین اور ثانی الذکر کی اشاعت علوم دین میں غیر معمولی حصہ داری ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ شخصی احوال کے غیر ضروری امور جزء سیرت نہیں قرار دیے جا سکتے، چنانچہ اصہار رسولؐ کے باب میں حضرت عثمانؓ کا سرے سے تذکرہ نہیں ہے۔ کیونکہ تاریخ اسلام میں ان کی علاحدہ شناخت قائم ہے اور بنات طاہرات میں صرف حضرت فاطمہؓ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔ وہ اور ان کے

صاحب زادگان حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ مشابہت رسولؐ کی بنیاد پر مرکز توجہ قرار پائے۔ اسی طرح عائلی رسم ورواج اور معاشرتی عرف ودستور چونکہ ہر عہد ومصر میں جداگانہ نوعیت کے ہوتے ہیں اس لیے اس کا استقصاء اور تفصیل باب سیرت میں چنداں قابل توجہ نہیں ہے۔

مذکورہ بالا معروضات کی روشنی میں یہ کہنا شاید بے جا نہ ہو کہ الجامع الصحیح کے متعینہ ابواب کا سیرت نبویؐ کے تناظر میں مطالعہ نہ صرف مصادر سیرت کے ذخیرہ میں ایک وقیع اضافہ کی حیثیت کا حامل ہوگا، بلکہ اصول سیرت کے خدوخال متعین کرنے میں بھی اس سے مدد ملے گی جس کا نقشہ علامہ شبلی نعمانیؒ نے مقدمہ سیرۃ النبیؐ میں پیش کیا ہے۔

حواشی

(۱) حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۲۰۰۳ء، جلد ۸، ص ۶۵۲۔ (۲) مولانا محمد عثمان غنی، نصر الباری اردو شرح صحیح البخاری، زکریا بک ڈپو، دیوبند ۱۹۹۷ء، ج ۸، ص ۹۔ (۳) امام بخاریؒ، الجامع الصحیح، کتاب بدء الخلق، باب ۵۹، حدیث ۳۱۹۲۔ (۴) باب الارواح جنود مجندہ کے ماقبل ابواب کتاب سے ربط وتعلق کی وضاحت حافظ ابن حجر نے یوں کی ہے: وھی متعلقة بترجمة آدم و ذریته یعنی اختلاف ارواح کا باب اگرچہ اخیر میں ہے لیکن باب اول آدم وذریت کا جزء ہے، فتح الباری، جلد ۸، ص ۴۵۵۔ (۵) صحیح بخاری کے متداول نسخوں میں حضرت صالحؑ کا بیان حضرت ابراہیمؑ کے بعد ہے لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں قوم عاد کے بعد ان کا ذکر کیا ہے، دیکھیے: جلد ۸، ص ۴۶۵۔ (۶) بعض لوگ ذوالقرنین کو سکندر رومی سے تعبیر کرتے ہیں جس کا زمانہ حضرت عیسیٰؑ کے قریب تھا مگر حافظ ابن حجر نے امام بخاری کی اس ترتیب کی بنا پر اور دوسرے دلائل کی روشنی میں اس قول کو کمزور بتایا ہے، لکھتے ہیں: وفی ایراد المصنف ترجمة ذی القرنین قبل ابراھیم اشارة الی توھین قول من زعم انه الاسکندر الیونانی ۔(ابن حجر محولہ بالا ص ۴۷۱)۔ (۷) امام بخاری، الجامع الصحیح کتاب المناقب، باب المناقب، ج ا ص ۴۹۶، مطبوعہ دیوبند۔ (۸) امام بخاری کا یہ اشارہ حافظ ابن حجر کے استنباط اور عنوان باب قصہ زمزم سے مستفاد ہے، قصة زمزم ووجه تعلقها بقصة ابی ذر ما وقع له من الاکتفاء بماء زمزم فی المدة التی اقام فیها بمکة (حضرت ابوذرؓ کے اسلام لانے کے واقعہ اور قصہ زمزم میں مناسبت یہ ہے کہ ان کو مکہ کے قیام کے دوران ماء زمزم ہی پر اکتفاء کرنا پڑا) (ابن حجر محولہ بالا ص ۶۸۲)۔

(۹) مثلاً سیرت حلبیہ، جلد اول اور دیگر کتب سیرت۔

عربی زبان میں ہندوستانی الفاظ-معربات رشیدی کے حوالے سے

پروفیسر ظفر احمد صدیقی

غیر زبان کے الفاظ جو ترمیم و تنسیخ کے بعد عربی زبان میں رائج ہو گئے انہیں ''معربات'' کہتے ہیں اور اس عمل کو ''تعریب'' کا نام دیتے ہیں۔ تعریب کا یہ سلسلہ عہد قدیم سے رائج ہے۔ فیل، سندس، استبرق وہ الفاظ ہیں جو زمانہ قبل از اسلام میں فارسی سے عربی زبان میں داخل ہوئے اور کلام الٰہی میں وارد ہونے کے بعد ان پر استناد کی مہر لگ گئی۔ خلیل بن احمد (ف ۱۷۰ھ)، سیبویہ (ف ۱۸۰ھ)، اصمعی (ف ۲۱۶ھ) اور ابوعبیدہ (ف ۲۰۲ھ) نے اپنی تصانیف میں معربات سے جزوی طور سے بحث کی ہے۔ ان سب کے بعد ابن درید (ف ۳۲۱ھ) نے جمهرة اللغة میں معربات پر قدرے تفصیلی کلام کیا ہے۔ اس کے بعد ثعالبی (ف ۴۳۰ھ) نے فقه اللغة میں معربات کے لیے ایک علاحدہ باب قائم کیا ہے۔ ابومنصور موہوب بن احمد بن محمد الجوالیقی (ف ۵۳۹ھ) وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب المعرب کے نام سے لکھی۔ اس کے بعد ابوالفتح ناصر بن عبداللہ المطرزی (ف ۶۱۰ھ) نے المغرب فی ترتیب المعرب تصنیف کی۔ شہاب الدین احمد بن محمد الخفاجی (ف ۱۰۶۹ھ) کی شفاء العلیل فیما فی کلام العرب من الدخیل بھی اس موضوع کی ایک اہم کتاب ہے۔

یہ تمام کتابیں عربی زبان میں ہیں۔ فارسی میں اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب ''معربات رشیدی'' ہے۔ اس کے مصنف سید عبدالرشید بن عبدالغفور مدنی ٹھٹھوی ہیں۔ ان کے مفصل سوانح حیات کہیں دست یاب نہیں۔ خود ان کی تحریروں اور بعض دیگر مآخذ سے جو کچھ معلوم

شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

ہوسکا ہے، اس کے مطابق وہ سادات حسینی میں سے ہیں۔ ان کے آبا و اجداد مدینہ منورہ کے باشندے تھے۔ کسی نامعلوم زمانے میں ان کے خاندان کے بعض بزرگ سندھ کے شہر ٹھٹھ میں آکر مقیم ہوئے۔ سید عبدالرشید یہیں پیدا ہوئے اور غالباً یہیں نشو ونما پائی۔ پھر وہ آگرہ منتقل ہوگئے اور اپنی علمی زندگی کا بہترین دور اسی شہر میں گذارا۔ دارالخلافہ آگرہ سے دہلی منتقل ہونے کے بعد دہلی آگئے۔ وہ شاہ جہاں اور عالم گیر کے معاصر تھے۔ ممکن ہے جہاں گیر کا بھی کچھ زمانہ پایا ہو۔ سید عبدالرشید نے اپنی تصنیف ''منتخب اللغات'' شاہ جہاں کی طرف منسوب کی ہے اور دیباچے میں شاہ جہاں اور اس کے چاروں بیٹوں کی نثر و نظم میں تعریف کی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں شاہی سرپرستی حاصل تھی۔ سید عبدالرشید کا سال ولادت معلوم نہیں۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی (ف ۱۲۰۰ھ) کے مطابق ان کا سال وفات ۱۰۷۷ھ ہے۔

سید عبدالرشید نے اپنے عہد کے علوم متداولہ کی تحصیل کی تھی۔ اپنے ایک قصیدے میں انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ صاحب قلم اور صاحب سیف دونوں ہیں اور یہ کہ انہیں تفسیر، بلاغت، نحو، صرف، ہندسہ، منطق، طبیعیات، الٰہیات جیسے علوم وفنون میں دست گاہ حاصل ہے۔ ذیل کے متعلقہ اشعار ملاحظہ ہوں:

شہر یارِ فضلم و شہر معانی جاے من	می رود در کشور دانش کنوں غوغاے من
ہم قلم دارم بہ دست و ہم علم دارم بہ دوش	کردہ فتحِ ملکِ معنی خاطر داناے من
در تفاسیر سور کشاف سِرِ مشکلم	منزلست ایں آیہ اندر شانِ استیفاے من
در معانی و بیاں مفتاحِ گنجے داشتم	نیست در فن بلاغت ہیچ کس ہمتاے من
در طریقِ نحویاں مصباحِ راہ ظلمتم	در سبیلِ صرفیاں وافی است استیفاے من
در اصول ہندسی تحریر اشکال از منست	در طریق منطقی تامست استقراے من
از طبیعی و الٰہی بہرہ اے دارم تمام	نیست محتاجِ براہیں سورۂ دعواے من
شیوۂ سحرِ حلال از شعر من دارد رواج	شمعِ جمعِ شاعراں باشد یدِ بیضاے من

زبانوں میں وہ عربی و فارسی دونوں سے بہ خوبی واقف تھے۔ سندھ میں پیدائش اور دہلی و آگرہ میں مدتوں قیام کی وجہ سے ہندوی یعنی قدیم اردو بھی اچھی طرح سمجھتے تھے۔ غالباً ان

کی روزمرہ بول چال کی زبان یہی تھی۔ سید عبدالرشید فرہنگ نویس، تاریخ گو اور شاعر تینوں حیثیتوں سے یاد رکھے جانے کے قابل ہیں۔ عہد عالم گیری کے مورخ محمد بختاور خاں نے ''مرآۃ العالم'' (تالیف ۱۰۷۸ھ) میں اور محمد افضل سرخوش نے ''کلمات الشعرا'' (تالیف ۱۰۹۳ھ) میں لکھا ہے کہ انہوں نے اورنگ زیب عالم گیر کے سال جلوس کی تاریخ (۱۰۶۸ھ) ''اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر منکم'' سے نکالی تھی جو گویا الہامی تھی۔ اسی طرح کشن چند اخلاص نے تذکرہ ''ہمیشہ بہار'' (تالیف ۱۱۳۶ھ) میں اطلاع دی ہے کہ سید عبدالرشید نے شاہ جہاں کے سال جلوس کی تاریخ قطعۂ ذیل کے مصرع آخر سے نکالی تھی:

شاہ جہاں ثانیِ صاحب قراں ۔۔۔ برشدہ بر تخت بہ اقبال و بخت
گشت جہاں غیرتِ باغِ جناں ۔۔۔ آں شہِ دیں پرورِ کز فیض او
از کرم باد شہِ کامراں ۔۔۔ باغِ جہاں خرم و سرسبز شد
''شاہ جہاں باشد'' و ''شاہ جہاں''[1] ۔۔۔ آمدہ تاریخ جلوسش ز غیب

سید عبدالرشید کے علمی آثار میں چار تصانیف کے نام ملتے ہیں جو تصنیفی ترتیب کے مطابق درج ذیل ہیں:

۱-منتخب اللغات شاہ جہانی (تالیف ۱۰۴۶ھ)۔ اسے ''فرہنگ رشیدی عربی'' بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ عربی لغت ہے۔

۲-رسالہ مغیرات۔

۳-رسالۂ معرّبات۔ اسے معرّبات رشیدی بھی کہتے ہیں۔

۴-فرہنگ رشیدی (تالیف ۱۰۶۴ھ) یہ فارسی کا لغت ہے۔

ان میں سے منتخب اللغات اور فرہنگ رشیدی بار بار شائع ہو چکی ہیں اور معروف و متداول ہیں۔ رسالہ مغیرات ناپید ہو چکا ہے۔ اب اس کا کہیں سراغ نہیں ملتا۔ رسالہ معربات کچھ عرصہ قبل تک غیر مطبوعہ تھا۔ اب معربات رشیدی کے نام سے شائع ہو گیا ہے۔ آج کا موضوع گفتگو یہی کتاب ہے۔ اس سے متعلق ضروری تفصیلات آئندہ صفحات میں پیش کی جاتی ہیں۔

---

(۱) اس تاریخ میں درمیان کا ''و'' محسوب نہیں۔ اسے منہا کر دیا جائے تو ۱۰۳۷ھ برآمد ہوتے ہیں۔ (ظ)

معربات رشیدی کی ضخامت زیادہ نہیں۔ یہ کم وبیش چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔اس لیے اسے رسالہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے عربی لغت ''منتخب اللغات شاہ جہانی'' کی ترتیب کے دوران مصنف کو جابہ جا معرب الفاظ کی تحقیق کی ضرورت پیش آئی۔ اس دوران انہیں خیال ہوا کہ عربی زبان میں معرب الفاظ بھی معتد بہ تعداد میں موجود ہیں۔لہٰذا منتخب اللغات کی تکمیل کے بعد انہوں نے ایسے تمام الفاظ ایک رسالے میں جمع کردیے۔ساتھ ہی معرب الفاظ پر غور وخوض کرکے رسالے کے دیباچے میں تعریب کے اصول وقواعد پر بھی جامع اور شافی گفتگو کردی۔

معربات رشیدی کی اشاعت کا خیال پہلے پہل مشہور محقق اور ماہر لسانیات ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے دل میں آیا۔ان کے پاس دو نسخے تھے۔ایک وہ جو انہیں حیدرآباد دکن میں ۱۹۱۵ء کے آس پاس ملا تھا۔دوسرا وہ جو رضا لائبریری رام پور کے نسخے کی نقل تھا۔ان دونوں کی مدد سے انہوں نے اس کا مکمل متن ترتیب دیا اور اپنے حواشی کے ساتھ ۵۶-۱۹۵۵ء کے آس پاس اسے علی گڑھ میں طبع کرادیا۔لیکن اس کا مقدمہ لکھنے میں ایک سال سے زائد کا عرصہ گذر گیا۔اس لیے اس کے مطبوعہ اوراق کی جلد بندی اور اشاعت کی نوبت نہ آسکی۔اسی دوران آقائے محمد عباسی نے فرہنگ رشیدی کے ضمیمے کے طور پر ۱۹۵۸ء میں اسے تہران سے شائع کردیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کی کتاب شائع نہ ہوسکی اور اس کے مطبوعہ اوراق پڑے پڑے ضائع ہوگئے۔۲۲؍ جولائی ۱۹۷۲ء کو ڈاکٹر صدیقی کی وفات ہوگئی۔

حسن اتفاق سے متذکرہ بالا مطبوعہ اوراق کے چند مکمل اور چند نامکمل نسخے اور مقدمہ و حواشی کے کچھ مسودات ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم کے ورثا کے توسط سے مشفق خواجہ مرحوم (ف ۲۰۰۵ء) تک پہنچے۔انہوں نے محمود شیرانی (ف ۱۹۴۶ء) کے پوتے مظہر محمود شیرانی سے فرمائش کی کہ وہ اس کی تدوین نو کردیں۔موصوف نے ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے متن وحواشی کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی از سر نو تدوین کی۔نیز پورے رسالے کا اردو میں ترجمہ بھی کیا۔پھر اپنے عالمانہ مقدمہ[1] وحواشی کے ساتھ ۲۰۰۳ء میں ادارہ یادگار غالب، کراچی سے شائع کردیا۔

---

(۱) سید عبدالرشید سے متعلق اس مضمون کی بیشتر معلومات اسی مقدمے سے ماخوذ ہیں۔(ظ)

عربی زبان میں معرب الفاظ زیادہ تر دو راستوں سے آئے ہیں۔ ایک شام کے راستے اور دوسرے عراق کے راستے۔ شام کے راستے سے آنے والے معرب الفاظ بیشتر سریانی الاصل ہیں۔ یہ شامی عربوں کے توسط سے عربی زبان میں داخل ہوئے ہیں۔ عراق کے راستے آنے والے معرب الفاظ زیادہ تر فارسی الاصل اور کچھ ہندی الاصل ہیں۔ یہ عراقی عربوں کے توسط سے عربی زبان کا حصہ بنے ہیں۔ معربات رشیدی میں جن معربات کی لسانی ولغوی تحقیق کی گئی ہے، وہ بیشتر فارسی الاصل ہیں۔ اس کی بہ ظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کے آبا واجداد غالباً مدینے سے عراق پھر عراق سے فارسی علاقوں میں پہنچے۔ اس طرح اپنے مہاجر آبا واجداد کی طرح وہ عربی و فارسی دونوں زبانوں سے واقف ہوگئے۔ لہٰذا عربی میں دخیل فارسی الفاظ کی تحقیق میں انہیں سہولت حاصل ہوئی۔ اس سلسلے میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱- ''رَبَاب'' کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: روادہ کا معرب۔ اس کے ترکیبی معنی غم ناک آواز رکھنے والا۔ کیونکہ ''رواد'' غم ناک آواز کو کہتے ہیں اور ''ہ'' نسبتی ہے۔

۲- ''طَبَاہَجَہ'' کی تحقیق کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: تباہہ کا معرب یعنی کباب جو عربی میں گوشت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے معنوں میں آتا ہے۔ اور اس کے مفہوم میں بھوننا ضروری نہیں، جیسا کہ مشہور ہوگیا ہے۔ (۱)

۳- ''مجوس'' کی اصل بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: مُنج گوش کا معرب یعنی چھوٹے کانوں والا۔ کیونکہ مجوسیوں کے دین کا بانی چھوٹے کانوں والا آدمی تھا۔ اس لیے اس لقب سے مشہور ہوا۔

۴- ''الدرز'' کی تحقیق میں لکھتے ہیں: درز کا معرب۔ قاموس میں آتا ہے درز الثوب (کپڑوں کا سینا) مشہور معرب۔ اسی لیے فارسی میں سوئی کو درزن اور دھاگے کو درزنان اور خیاط کو درزی کہتے ہیں۔

عربی اور فارسی میں متعدد الفاظ حطی کی طوے سے لکھے جاتے ہیں، حالانکہ وہ اصل میں

---

(۱) صاحب معربات رشیدی کی یہ تحقیق بظاہر درست نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ لسان العرب سے مراجعت کے بعد معلوم ہوا کہ بھوننا اس کے مفہوم میں شامل ہے۔ (ظ)

قرشت کی ت سے ہیں۔ صاحب معربات رشیدی نے اس کی بہت عمدہ توجیہ کی ہے۔ لفظ ''طوس'' کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> طوس: توس کا معرب اور یہ خراسان کا مشہور شہر ہے جس کی بنیاد توس بن نوذر نے رکھی تھی اور بعد میں آنے والے ایرانی، فارسی کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے اس لفظ کو دونوں معنی (یعنی شہر کا نام اور اس کے بانی کا نام) میں حطی کی طوئے سے لکھتے ہیں، اس مشابہت کی وجہ سے جو تے، یے، بے اور نون میں ہے اور اکثر الفاظ کو جن میں شبہے کا امکان ہوتا ہے، اسی طرح لکھا جاتا ہے جیسے غلطیدن، طپیدن، طپانچے اور اس طرح کے دوسرے الفاظ کو شبہہ دور کرنے کی خاطر طوئے سے لکھتے ہیں حالانکہ وہ تے سے ہیں۔

معربات کے موضوع پر لکھنے والے دیگر مصنفین کے مقابلے میں صاحب معربات رشیدی اس لحاظ سے ممتاز ہیں کہ وہ عربی فارسی کے ساتھ ساتھ ہندوی یعنی قدیم اردو سے بھی واقف ہیں اس لیے مختلف کلمات کی تشریح کے دوران وہ کہیں کہیں ہندوستانی مترادفات بھی ذکر کردیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے چند اندراجات ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

۱- سُمانیٰ: سُمانہ یا سُمان کا معرب۔ مشہور پرندہ ہے جسے عربی میں سلویٰ اور ہندوستانی میں پُودنا کہتے ہیں۔

۲- سُفتجہ: سفتہ کا معرب ہے جسے ہندوستانی میں ہنڈوی کہتے ہیں۔

۳- زوالقہ: زوالہ کا معرب۔ یہ آٹے کا گولہ ہوتا ہے جسے ہندوستانی میں پیڑا کہتے ہیں۔

۴- ذُرَة: زرت کا معرب۔ یہ مشہور اناج ہے جسے ہندوستانی میں جوار کہتے ہیں۔

اپنے اسی امتیاز کی بنا پر انہوں نے معربات رشیدی میں فارسی الاصل معرب الفاظ کے پہلو بہ پہلو ہندی الاصل معربات کی بھی جابہ جا نشان دہی کردی ہے۔ آئندہ سطور میں ایسے الفاظ سے متعلق ان کے بیانات ملاحظہ ہوں:

۱- اَنبج: انبہ کا معرب جو ہندوستان کا مشہور پھل ہے۔ (یعنی آم)[1]

---

(۱) یہ اور اس کے بعد کی قلابین کی عبارتیں راقم حروف کے قلم سے ہیں۔ (ظ)

۲-مُنج: مُنگ کا معرب ہے جو سبز ماش کو کہتے ہیں۔(یعنی مونگ)

۳-ساج: ساگ کا معرب اور یہ ایک بڑا درخت ہوتا ہے جو ہندوستان میں مشہور ہے (یعنی ساگوان)

۴-بِطرنج: (زیر کے ساتھ) چتورنگ کا معرب جو ہندوستانی لفظ ہے۔''چتور'' کے معنی چار اور ''انگ'' کے معنی عضو۔ کیونکہ شطرنج میں شاہ اور فرزین کے علاوہ چار رکن ہوتے ہیں یعنی فیل، شتر، اسپ اور پیادہ۔

۵-اَملج: بروزن اطلس، آملہ کا معرب۔(یعنی آنولہ) ۶-قند: کند کا معرب۔(یعنی کھانڈ)

۷-زنبق: زنبہ کا معرب ہے جو ایک مشہور پھول ہے۔(یعنی چمپا)

۸-قَرنفل: کرن پھول کا معرب جو ہندوستانی لفظ ہے۔ یہ معرب ہے ''کرن'' بہ معنی کان اور ''پھول'' بہ معنی گل سے۔ کیونکہ ہندوستان میں عورتیں اکثر اسے کان کے چھید میں ڈال لیتی ہیں تاکہ رجھ نہ جائے۔ اس لیے اس نام سے موسوم ہوا۔

۹-اطریفل: تری پھل کا معرب۔ یہ ہندوستانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں تین پھل۔ اور بہتر یہ ہے کہ ''تری پھل'' کہیں۔ کیونکہ تری کے معنی تین کے ہوتے ہیں اور یہ معرب سے قریب بھی ہے۔ جس طرح طرابلس معرب ہے تری بلس کا۔ اس لیے کہ یونانی میں بھی تری کے معنی تین ہیں۔

۱۰-ساسم: شیشم کا معرب جو ہندوستان کا ایک مشہور درخت ہوتا ہے۔

۱۱-نارجیل: نارگیل کا معرب۔(یعنی ناریل)

صاحب معربات رشیدی کے مذکورہ بالا اندراجات کی روشنی میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ عربی زبان میں ہندوستانی الفاظ بھی موجود ہیں لیکن ان میں سے بیشتر فارسی کے توسط سے عربی زبان میں داخل ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ہندی الاصل معربات کی یہ فہرست جامع نہیں، بلکہ مشتے از خروارے ہے۔ کیونکہ اس میں بہت سے ہندی الاصل معربات شامل نہیں ہو سکے ہیں۔ مثلاً ''صندل'' جو معرب ہے چندن کا اور کافور جو معرب ہے کپور کا، وغیرہ۔ تاہم اس باب میں صاحب معربات رشیدی کی کاوشیں قابل تحسین ہیں۔ کیونکہ عربی کتب معربات ان تحقیقات سے خالی ہیں۔

پروفیسر مختار الدین احمد آرزو
(عربی زبان و ادب کے نامور محقق)

ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن

پروفیسر مختار الدین احمد آرزو ملک کے نامور محقق، ممتاز دانشور اور بلند پایہ ادیب تھے۔ جو تقریباً نصف صدی سے عربی و اردو زبان و ادب کی پر خلوص، خاموش اور بے لوث خدمت انجام دے رہے تھے اور اس میدان میں اعلیٰ و ارفع مقام حاصل کرچکے تھے۔ ان کے علم و فضل کا اعتراف نہ صرف ہندوستانی ادباء و محققین نے کیا بلکہ ہندوستان کے علاوہ یورپ، عرب، پاکستان اور بنگلہ دیش کے علمی و ادبی حلقوں نے بھی کیا ہے۔

پروفیسر مختار الدین احمد کا اصل میدان تحقیق، تدوین اور تنقید ہے، ان کی عربی و اردو تصنیفات و تالیفات اس دعویٰ کی شاہد عدل ہیں۔ اردو زبان میں احوال غالب، نقد غالب، کربل کتھا، تذکرۂ آزردہ، تذکرہ حیدری اور دیوان حضور وغیرہ جیسی اہم اور گراں قدر کتابیں انہوں نے تحقیق و تنقید کے اعلیٰ معیار کے مطابق مرتب کر کے شائع کیں۔ تذکرہ آزردہ اور تذکرہ حیدری پر ان کے پراز معلومات حواشی بے حد اہمیت کے حامل ہیں۔ اسی طرح انہوں نے عربی زبان میں الحماسۃ البصریہ، فضائل من اسمہ احمد او محمد، قصیدۃ الأعشی الکبیر، مجالس الیمنی، الرسالۃ للمبرد النحوی، ابو یوسف الکندی و رسالۃ فی الشعاعات وغیرہ کی تدوین و تالیف کی ہے۔ جن سے عربی میں ان کی اعلیٰ علمی لیاقت، شعری و ادبی فضل و کمال اور تحقیقی و تنقیدی بصیرت نمایاں ہے۔ یہاں ان کی ممتاز ترین کتاب الحماسۃ البصریہ کا تعارف مقصود ہے اور خود عربی زبان و ادب میں خود آرزو صاحب کے مرتبۂ بلند کا تعارف ہے کہ ان کا تحقیقی معیار و منہاج کتنا اعلیٰ اور تنقیدی شعور

صدر رابطہ ادب اسلامی عالمی، بہار شاخ پٹنہ۔

کسی قدر بالیدہ و پختہ تھا اور انہوں نے تدوین متن کا کسی قدر صاف ستھرا ذوق اور پاکیزہ مذاق پایا تھا۔

یہ کتاب دراصل کتاب الحماسۃ لابی تمام (م ۲۲۸ھ/ ۸۴۳ء) کے طرز پر ایک تالیف ہے جو عباسی عہد کے معروف عالم و ادیب صدر الدین ابوالفرج بن الحسین البصری (م ۶۵۹ھ/ ۱۲۶۰ء) کے پسندیدہ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے قلمی نسخے دنیا کے مختلف کتاب خانوں میں محفوظ ہیں۔ ان قدیم اور اہم نسخوں کو حاصل کر کے آرزو صاحب نے باہم نسخوں سے مقابلہ کیا، پیچیدہ اور دشوار مقامات پر مفید اور ضروری حواشی لکھے اور آغاز میں ایک مفصل اور پرمغز مقدمہ تحریر کیا، ان کی یہ کوشش، محنت و جستجو اور تلاش و تفحص کی وجہ سے عربی ادب میں ایک عظیم اور وقیع کارنامہ کی شکل اختیار کرگئی۔ یہ پہلی بار مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد سے ۱۹۶۴ء میں دو جلدوں میں شائع ہوئی اور دوسری بار عالم الکتب بیروت سے اشاعت پذیر ہوئی۔

یہ بات مسلم ہے کہ علمی و تحقیقی لحاظ سے کسی مدون کتاب کے دو حصے نہایت اہم ہوتے ہیں۔ پہلا مقدمہ، دوسرے حواشی و تعلیقات، انہیں دو حصوں کے مطالعہ سے مدون و مرتب کی علمی و تحقیقی عظمت و برتری قاری پر عیاں ہوتی ہے اور وہ اس کی شخصیت کا بھرپور اندازہ کرلیتا ہے۔ کیونکہ مقدمے میں محقق تدوین متن کے تمام دشوار گذار مسائل و مراحل سے بحث کرتا ہے۔ اپنے طریقہ تحقیق اور معیار تحقیق کی واقفیت بہم پہنچاتا ہے متن کے اضطراب و مشکلات کی وضاحت کرتا ہے۔ متعلقہ نسخوں کے احوال و کوائف پر گفتگو کرتا ہے۔ پیچیدہ عبارات اور مغلق فقروں کے حل کے طریقے بتاتا ہے اور پھر جب اصل کتاب شروع کرتا ہے تو اپنے علم و تحقیق کا عملی ثبوت پیش کرتا ہے اور قاری کے سامنے علم و دانش کی موتیاں بکھیر کر رکھ دیتا ہے۔

اس اعتبار سے الحماسۃ البصریہ کے مطالعہ میں دو حصے نہایت اہم نظر آتے ہیں۔ ایک تو جدید اصول تحقیق کے مطابق تدوین اور دوسرے جابجا نہایت گراں قدر تحقیقات و تنقیدات۔

مقدمہ: پروفیسر مختار الدین احمد نے ایک طویل، جامع پرمغز اور معلومات افزا مقدمہ لکھا ہے۔ یہ مقدمہ پچاس صفحات پر مشتمل ہے، جس میں انہوں نے اولاً حماسہ کے موضوع پر لکھی ہوئی تمام کتابوں کا مختصر لیکن جامع تعارف کرایا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے حماسہ بحتری (م ۲۸۴ھ)، حماسہ ابن الشجری (م ۵۴۲ھ)، حماسہ اعلم الشنتری (م ۴۱۰-۴۷۶ھ)، حماسہ شاطبی (۴۸۲-

۵۴۷ھ)، حماسہ شمیم الحلی (م ۶۰۱ھ)، تذکرہ سعیدیہ، حماسہ مغربیہ، حماسہ عسکریہ لابی ہلال العسکری (م ۳۹۵ھ)، حماسہ ابن الفارس (م ۳۷۹ھ)، حماسہ مرزبان، حماسۃ الظرفاء لابن محمد عبداللہ بن محمد الزوزنی، حماسۃ الخالدیین کا مفصل تذکرہ کیا ہے اور ان کے علمی و ادبی مقام پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ اخیر میں حماسہ بصریہ کی تفصیلات پیش کی ہیں۔ فاضل مرتب نے لکھا ہے کہ یہ کتاب گرچہ اشعار کے انتخاب اور موضوعات کے تنوع کے اعتبار سے اعلیٰ اور شاندار ہے اور مولف کتاب کے سخن فہم اور سخن سنج ناقد ہونے کا ثبوت فراہم کرتی ہے لیکن افسوس کی بات ہے کہ خود مولف کے حالات زندگی اس کے معاصر تذکروں یا تاریخی کتابوں میں نہیں ملتے۔ حالانکہ مولف نے کئی بادشاہوں کے ادوار دیکھے اور شاہی درباروں کی فیاضی سے اس کی زندگی خوشحال گذری۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کے معاصرین میں ابن خلکان، ابن الندیم، قطب الدین الیونینی، جلال الدین سیوطی کے نام آتے ہیں جو تاریخ نویسی اور تذکرہ نگاری میں اپنی مثال آپ ہیں۔ تاہم ان تذکرہ نگاروں نے بھی اپنے معاصر دوست کے احوال و کوائف قلم بند نہیں کیے۔ یہی وجہ ہے کہ مولف کے حالات زندگی پر کہیں کوئی روشنی نہیں ملتی اور ان کی دو تالیفات الحماسۃ البصریہ اور المناقب العباسیہ والمفاخر المستنصریہ کے علاوہ کسی اور کتاب کا پتہ بھی نہیں چلتا ہے، ثانی الذکر کتاب کا بھی دنیا میں صرف ایک ہی نسخہ ملتا ہے جو پیرس میں محفوظ ہے۔ الحماسۃ البصریہ کے نسخے مصر، ترکی اور یورپ کے کتب خانوں میں یقیناً محفوظ تھے لیکن دن کی روشنی سے محروم تھے۔ پروفیسر مختار الدین احمد پہلے محقق ہیں جنہوں نے اسے گوشہ تاریکی سے نکالا اور اس کا علمی و تحقیقی ایڈیشن تیار کر کے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا۔

مصادر کی دریافت: پروفیسر مختار الدین احمد کا زور تحقیق وہاں دیکھنے میں آتا ہے جہاں انہوں نے حماسہ بصریہ کے مصادر و مراجع کی کھوج لگانے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے متعلقہ کتب مراجع پڑھا ہے۔ ہر ایک کا مقابلہ حماسہ بصریہ کے ہر قطعہ بلکہ ہر شعر اور مصرعہ سے کیا ہے اور پھر تحقیق کی ہے کہ حماسہ بصریہ کے مولف نے کس کتاب سے کتنا استفادہ کیا ہے۔ کون سا قطعہ یا کون سا شعر اخذ کیا ہے اور کون سا حذف کیا ہے۔ کس کتاب میں کیا لفظ ہے اور کیسی روایت موجود ہے۔ کمال تحقیق یہ ہے کہ حماسہ بصریہ کے مصادر و مراجع کا پتا چلایا گیا ہے اور

اس کے لیے داخلی و خارجی دونوں طرح کے ثبوت وشواہد فراہم کیے گئے ۔کتاب الاشباہ والنظائر للخالدیین کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حماسہ ابی تمام کے بعد یہی کتاب ہے جس کو حماسہ بصریہ کے مولف نے اپنا ماخذ بنایا ہے۔اس کے بارے میں کئی ثبوت پیش کیے ہیں۔جیسے خود مولف نے مقدمہ کتاب میں اس کے ماخذ ہونے کا ذکر کیا، مزید برآں کتاب کی داخلی شہادتیں ہیں اور یہ بھی کہ اس کتاب میں باب الصفات والنعوت کے تحت ایک قطعہ ہے جو حماسۃ الخالدیین سے ہی ماخوذ ہے، جس کا عنوان ہے احسن الخالدیان فیہا مع تاخرہما۔چوتھی بات یہ کہی ہے کہ سو سے زائد قطعات ایسے ہیں جو حماسہ الخالدیین ہی سے اخذ کیے گئے ہیں۔جن میں بیشتر قطعات اس کتاب کے علاوہ دوسری جگہ نہیں تھے۔ان کے علاوہ حماسہ بصریہ کے کچھ نثری عنوان ایسے ہیں جو حماسۃ الخالدیین سے بالکل ملتے جلتے ہیں یا معمولی تغیر کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔اس کے لیے ڈاکٹر آرزو نے حماسہ بصریہ (۱/۵۳ و ۲/۳۲۹) اور حماسۃ الخالدیین کے صفحات ۸۷ اور ۱۳۱ کے حوالے تحریر کیے ہیں۔(مقدمہ ۱/۲۵)

حماسۃ الخالدیین کے بعد حماسہ ابی تمام حماسہ بصریہ کا سب سے اہم ماخذ ہے۔اس کے بارے میں وہ فرماتے ہیں ''اس کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ خود حماسہ بصریہ میں ایک جگہ اس کا صراحتاً ذکر ملتا ہے۔(۱/۸) دوسرے ثبوت کے لیے فاضل مرتب نے پورے حماسہ ابی تمام کو بغور پڑھا ہے اور اس کا مقابلہ حماسہ بصریہ کے ایک ایک قطعہ سے کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اکتالیس قطعات ایسے ہیں جو حماسہ ابی تمام سے ماخوذ ہیں۔

اس کے علاوہ حماسہ بحتری بھی ایک اہم ماخذ ہے۔اس کے بارے میں پروفیسر صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ باب الملح والمجون کے قطعات نمبر ۳۹، ۴۱، ۴۵ اور باب الانابہ والزہد کا قطعہ نمبر ۱۹ حماسہ بحتری ہی سے اخذ کیے گئے ہیں۔اس کی تصدیق کے لیے حماسہ بصریہ کے ۲/ ۳۷۷، ۳۷۹، ۴۱۶ اور حماسہ بحتری کے صفحات ۲۶۳ اور ۲۶۴ دیکھے جاسکتے ہیں۔پروفیسر صاحب مزید فرماتے ہیں کہ ان قطعات کے علاوہ حماسہ بصریہ کے بہت سارے ایسے قطعات ہیں جنھیں پڑھ کر غالب گمان ہوتا ہے کہ یہ سب حماسہ بحتری ہی سے ماخوذ ہیں۔

ان مصادر کے علاوہ فاضل مرتب نے دیوان مسلم الخاسر، کتاب الحیوان للجاحظ، مجموعۃ

المعانی، الحماسۃ لابن الشجری، زہر الآداب للحصری، الاقتضاب فی شرح ادب الکتاب، معانی العسکری کے نام لکھ کر پوری تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے کہ حماسہ بصریہ کے مولف نے ان میں سے کس کتاب سے کتنا استفادہ کیا ہے۔

یہ نہایت گراں قدر اور اہم بحث ہے جس کو فاضل مرتب نے بڑی دیدہ ریزی اور نہایت جاں فشانی سے لکھا ہے اور نہایت آسان اور خوبصورت عربی میں پیش کیا ہے۔

نسخے کی تدوین: حماسہ بصریہ کے مولف گرچہ ایک عرصہ تک اپنے مسودے پر نظر ثانی اور تصحیح کرتے رہے اور انہوں نے مستند اور قابل اعتبار متن تیار کرلیا لیکن پروفیسر آرزو کو جو نسخے دستیاب ہوئے۔ وہ عہد تصنیف کے نہیں بہت بعد کے زمانے کے ہیں اور غلطیوں سے خالی نہیں ہیں۔ ان نسخوں کے نقائص کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ کہیں کہیں ایک ہی قطعہ یا شعر دو مختلف شاعروں کی طرف منسوب کردیا گیا ہے یا ایک شاعر کے کلام کی نسبت دوسرے شاعر سے کردی گئی۔ کہیں باپ کے کلام کو اس کے بیٹے سے اور بیٹے کے کلام کو اس کے باپ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ قبائل کی نسبتوں میں بھی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ مخضرمی شاعر کو اسلامی اور اسلامی کو مخضرمی شاعر لکھ دیا گیا۔ بہت سے مقامات اغلاط کتابت کا شکار ہوگئے، ایسی صورت میں تمام غلطیوں کی نشان دہی کرکے صحیح الفاظ کی تحقیق، معمولی کام نہیں۔ لیکن پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کا کمال ہے کہ انہوں نے تمام نسخوں کو بغور دیکھا، باہم موازنہ کیا، صحیح اور غلط الفاظ کی وضاحت کی اور پھر حماسہ بصریہ کے ممکن الحصول نسخوں کے متن کا مصادر و مراجع سے تقابل کرکے حواشی میں وضاحت کردی۔ مقدمہ کتاب میں ''اوھام البصریه واسقامها'' کے تحت جو معرکہ آرا بحث لکھی ہے وہ اس پوری محنت و جاں فشانی کا آئینہ ہے۔ یہاں ان کی چند تحقیقات بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں:

''تسبق'' اور ''سملق'' کی ردیف کے دو قطعات اعشیٰ ہمدانی کی طرف منسوب کیے گئے ہیں جب کہ حقیقت میں یہ دونوں قطعات اعشیٰ میمون کے ہیں۔ ایک قطعہ ''ذلیل'' کے ردیف کو ہیثم بن الاسود النخعی کی طرف منسوب کیا گیا ہے جب کہ صحیح یہ ہے کہ یہ طرفہ کا قطعہ ہے، جیسا کہ دیوان طرفہ اور دیوان حماسہ میں مذکور ہے۔ (مقدمہ حماسہ بصریہ ۳۱/۱) عربی شعر و ادب کا ایک

معروف قطعہ ''تائیہ'' ہے جو حجاج بن یوسف کی ہمشیرہ زینب بنت یوسف کی تشبیب میں ہے، اس کو غلطی سے عبداللہ بن نمیر کا قطعہ قرار دیا گیا ہے۔ جب کہ دراصل یہ اس کے بیٹے محمد بن عبداللہ النمیری کا ہے، ایک قطعہ ''لازم'' کی ردیف کا ہے، جس کا انتساب عبدالاعلی القرشی کی طرف کیا گیا ہے، جب کہ یہ اس کے بیٹے عبیداللہ بن عبدالاعلی کا ہے۔ ایک قطعہ ''الناظر'' کو زہیر بن ابی سلمی کا قطعہ لکھا گیا ہے جب کہ صحیح یہ ہے کہ یہ اعشی میمون کا ہے، کیونکہ یہ خود اعشی میمون کے دیوان میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ یہ کتاب سیبویہ اور شواہد المغنی کی تمام شرحوں میں پایا جاتا ہے۔ ایک قطعہ ''الناظر'' فتح بن خاقان کے نام سے درج کیا گیا ہے (مقدمہ ۱/۳۲) جب کہ یہ ابراہیم بن عباس الصولی کا قطعہ ہے۔ ثبوت یہ ہے کہ یہ خود الصولی کے دیوان میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے مصادر بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ ایک معروف قطعہ ''المقنع'' ہے جس کو مولف نے عقبہ بن مسکین کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ ابوتمام نے عتبہ بن بجیر اور تبریزی نے مسکین دارمی کی طرف اس کا انتساب کیا ہے۔ (مقدمہ ۱/۳۲)

ان چند نمونوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پروفیسر مختار الدین احمد نے تلاش و جستجو میں کس قدر جانفشانی کی ہے۔ قدماء کے کلام کا کتنا گہرا مطالعہ کیا ہے اور ایک ایک قطعہ کی دریافت اور اس کے صحیح قائل کی تلاش میں کس قدر محنت شاقہ اٹھائی ہے۔

طریقۂ تحقیق: کسی مدون کتاب کا طریقۂ تحقیق سب سے اہم ہوتا ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتب نے کن اصول و ضوابط کی روشنی میں کتاب مدون کی ہے اور تحقیقی لحاظ سے خود وہ اصول و ضوابط کیسے ہیں۔ پروفیسر مختار الدین احمد کا مقدمہ اس اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ انہوں نے اپنے طریقہ تحقیق کی بخوبی وضاحت کی ہے اور تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ انہوں نے حماسہ بصریہ کے نسخوں کی حصول یابی کے بعد سب سے پہلے حماسہ ابوتمام اور حماسہ کے موضوع پر لکھی جانے والی تمام کتابوں کا گہرا مطالعہ کیا، شعراء اور ان کے اشعار کا مکمل جائزہ لیا۔ اس کے بعد تمام متعلقہ دواوین اور شعری مجموعوں جیسے المفضلیات والاصمعیات اور دوسرے مصادر کی طرف رجوع کیا اور بالاستیعاب پڑھ کر اشعار و شعرا کی تخریج و تصحیح کی۔ ان کتابوں میں جہاں اختلاف نظر آیا اس کا تعلیقات و حواشی میں ذکر کر دیا ہے لیکن جو مسائل ان کتابوں سے بھی

حل نہیں ہوسکے، ان کے لیے سیرت، تاریخ، تذکرہ، جغرافیہ، معاجم جیسے متعلقہ موضوعات کے اہم اور معتبر مصادر کی طرف رجوع کیا ہے۔ اگر شعراء صحابہ کرامؓ سے ہیں تو ان کے حالات و واقعات کے لیے سیرت ابن ہشام، الاستیعاب، الروض الانف وغیرہ سے مراجعت کر کے معلومات سے اپنے حواشی کو مزین کیا، اسی طرح اگر کلام خواتین کا ہے تو بلاغات النساء، اشعار النساء اور شعراء العرب سے استفادہ کیا، نصرانی شعراء کے لیے الشعراء النصرانیہ کو ماخذ بنایا ہے۔ ہذیلی شعراء کے لیے اشعار ہذیل اور نابینا شعراء کے لیے نکت الهمیان سے رجوع کیا، شوافع شعراء کے لیے طبقات الشافعیہ، بخلاء کے لیے کتاب البخلاء، اسخیاء کے لیے المستجاد من فصلات الاجواد اور کتاب الکرماء سے فیض حاصل کیا ہے، زیادہ معمر شعراء کے لیے کتاب المعمرین، مقتول شعراء کے لیے من قتل من الشعراء، عشاق شعراء کے لیے التزیین اور کتاب الزہرہ دیکھا ہے، اس کے علاوہ جن شعرا کا نام محمد سے شروع ہوتا ہے ان کے لیے الوافی بالوفیات اور جن کا نام عمر ہے ان کے لیے من سمی عمرا من الشعراء سے انہوں نے علمی مواد حاصل کیا ہے۔

اس سلسلے میں ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ اصناف ادب کے لحاظ سے جس قسم کے قطعات و اشعار حماسہ بصریہ میں پائے جاتے ہیں ان کے لیے پروفیسر آرزو نے اس قسم کی کتابوں سے مدد لی ہے۔ مثال کے طور پر اگر قطعات صنعت بدیع سے متعلق ہیں تو ان کے لیے ابن المعتز کی کتاب البدیع اور العسکری کی کتاب المعانی، جاحظ کی البیان والتبیین، ابن رشیق کی کتاب العمدہ پڑھ کر اپنی تحقیقات پیش کی ہیں، جو قطعات تشبیہات پر مبنی ہیں تو ان کے لیے ابن ابی عون البغدادی کی کتاب التشبیہات دیکھی ہے۔ اسی طرح جو قطعات تاریخی واقعات پر مشتمل ہیں ان کے لیے کتب تاریخ اور جو بلاد و امکنہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کے لیے یاقوت الحموی کی معجم البلدان اور البکری کی کتاب المعجم سے استفادہ کیا ہے۔ الفاظ و کلمات کی تحقیق کے لیے لسان العرب اور تاج العروس، امثال کے لیے میدانی، مفضل بن سلمہ اور حمزہ اصفہانی کی کتابیں، نحوی قطعات کے لیے کتاب سیبویہ، خزانۃ الادب، فرحۃ الادیب اور العینی اور السیوطی کی تصانیف کی طرف رجوع کیا ہے۔

اس کے علاوہ حماسہ بصریہ میں کچھ ایسے شعراء بھی ہیں جن کے اشعار مختلف مصادر میں

مذکور ہیں۔ ان کے لیے مختلف ادبی موضوعات کے علاوہ دوسرے فنون کی کتابیں دیکھ کر ان اشعار کی تخریج کی ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عبدالاعلی الاسدی کے اشعار انہوں نے سیرت عمر بن عبدالعزیز لابن الجوزی، تابط شرا کے قطعات کے لیے الشعر والشعراء لابن قتیبہ، ابن ہرمہ کے لیے کتاب الاغانی، صالح بن جناح کے لیے تاریخ دمشق لابن عساکر، ابن الدمینہ کے لیے حماسۃ الخالدیین سے فائدہ اٹھایا ہے اور جو معلومات حاصل ہوئیں ان کا حواشی میں ذکر کیا ہے۔ وہ قطعات جو غیر معروف ہیں لیکن ادبی لحاظ سے نہایت اہم ہیں، ان کے لیے پروفیسر صاحب نے معروف وغیر معروف قسم کے مصادر دیکھے، اخیر میں کچھ ایسے اشعار رہ گئے تھے جن کے قائل کا پتہ نہیں تھا، ان کی دریافت کے لیے بھی کوشش بلیغ کی ہے۔ ایسے اشعار کے لیے شعراء کی محبوباؤں کے نام سے ان کے عاشقوں کے نام دریافت کیے ہیں۔ مثال کے طور پر جن اشعار میں لیلیٰ، لبنیٰ، عزہ، عفرا کی مدح سرائی کی گئی ہے ان سے اس بات کا اندازہ لگایا گیا کہ یہ کس شاعر کا کلام ہوسکتا ہے اور پھر ان کے دواوین یا ادبی مصادر میں انہیں ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ اشعار اور شعراء کی تخریج کے دشوار گذار کام کو پروفیسر آرزو کے منہج تحقیق نے کس طرح آسان کردیا۔

تعلیقات وحواشی: جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کسی مخطوطہ کی تدوین کے لیے تعلیقات و حواشی نہایت اہم ہوتے ہیں، کیونکہ محقق کی فکری، علمی بلندی انہیں تعلیقات وحواشی سے معلوم ہوتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اس کا معیار تحقیق کس پایہ کا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱- حماسہ بصریہ جلد اول کے صفحہ ۱۰۷ پر قطعہ نمبر ۲۲۶ کے تحت اموی شاعر نصر بن سیار کا ایک قطعہ نقل کیا گیا ہے اس کا آخری شعر یہ ہے

تفروا عن زمانکم وقولوا علی الاسلام والعرب السلامُ

اس کے مصرعہ اولی کے لفظ ''قولوا'' پر مرتب نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ البیان والتبیین اور العقد الفرید میں اس مصرعہ کے بجائے درج ذیل مصرعہ پایا جاتا ہے ففری عن رحالك ثم قولی

ان کی اصل عبارت ملاحظہ کیجیے: فی البیان والعقد ففری عن رحالك ثم قولی (۱/۱۰۸)

۲- باب المدیح والتقریظ کے قطعہ نمبر ۱۷ کے تحت شاعر دربار رسول عبداللہ بن رواحہؓ

کے دو شعر درج ہیں۔ مرتب نے اس کی تحقیق کے لیے دوسرے نسخوں کی طرف رجوع کیا تو ترکی کے نور عثمانیہ کے نسخے میں انہیں یہ شعر نہیں ملے۔ چنانچہ اس کی وضاحت حاشیہ نمبر ا میں اس طرح کرتے ہیں:

سقطت هذه المقطوعة من نع (نور عثمانیہ ا/۱۲۳)

۳-باب المدیح کے قطعہ نمبر ۱۴ کے تحت ابونواس کا یہ قطعہ درج ہے۔

اقول لناقتی اذ بلغتنی — لقد اصبحت عندی بالیمین

ولم اجعلك للغربان نهبا — ولا قلت اشرقی بدم الوتین

حرمت علی الازمة والولایا — واعلاق الرحالة والوضین

اس قطعہ کے لفظ "بالیمین" اور "الازمة" پر حاشیہ نمبر ۲-۳ میں لکھتے ہیں کہ لفظ بالیمین کتاب الخالدیین اور دیوان شیخ صدر الدین بصری سے لیا گیا ہے جبکہ نور عثمانیہ اور اصل نسخے میں بالثمین کی روایت ملتی ہے۔ اس کے علاوہ دیوان ابونواس میں الازمة کے بجائے "البراذع" مذکور ہے۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے:

(۲) من الخالدیین و دیوانه وفی الاصل ونع : بالثمین

(۳) دیوانه : البراذع (ا/۱۲۲)

۴-باب المدیح میں پہلا قطعہ سواد بن قارب کا ہے جو آنحضرتؐ کی نعت میں کہا گیا، اس کے دو ابتدائی اشعار یہ ہیں:

اتانی رئیی بعد هدء ورقدة — ولم یك فیما قد بلوت بکاذب

ثلاث لیالی قوله کل لیلة — اتاك رسول من لوی بن غالب

"رئیی" اور "لم یك" کے حاشیہ نمبر ا-۲ میں صراحت کی گئی کہ اصل نسخے میں ربئی لکھا ہے جو غلط ہے شاید یہ رئیی کی بگڑی ہوئی شکل ہو۔ اس کے علاوہ اصل نسخے اور نور عثمانیہ کے نسخے میں لم یك کے بجائے لم اك مذکور ہے جو غلط ہے۔ لکھتے ہیں:

(۱) ووقع فی الاصل : ربئی خطأ ولعله تصحف عن "رئیی"

(۲) وفی الاصل ونع : لم اك خطأ (ا/۱۱۷)

۵-باب التابین والرثاء کے ذیل میں ازرق بن المکعبر کے قطعے میں دو شعر ملتے ہیں:

اتـنـفـر عـن عـمـرو ببيداء ناقتی وما كان سارى الليل ينفر عن عمرو

لـقـد حـبـيـت عـنـدی الـحـيـاة حيـاتـه وحـب سكنی القبر مذ صارفی القبر

مرتب نے "ببیداء"، "عندی"، "حیاته" اور "حبب" کے حواشی میں لکھا کہ اصل نسخے میں وبیداء لکھا ہے جو غلط ہے۔ اس طرح نور عثمانیہ کے نسخے میں الحياة و حياته لکھا ہے یہ بھی صحیح نہیں۔ اس کے علاوہ اصل نسخے میں حبب کے بجائے وجبت لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے، اصل عبارت ملاحظہ ہو:

(۱) وفی الاصل : وبيداء خطأ

(۲) وفی نع : الحياة و حياته خطأ

(۳) وفی الاصل : وجبت خطأ (۲۳۲/۱)

۶-باب الادب کا چوتھا قطعہ دو شعروں پر مشتمل ہے جو ابو طالب بن عبد المطلب بن ہاشم کا ہے۔ قطعہ یہ ہے:

لاتيأسن اذا ماضقت من فرج يأتی به الله فی الروحات والدلج

فما تجرع كاس الصبر معتصم بالله الا اتاه الله بالفرج

اس میں "الروحات" کے بارے میں وضاحت کی کہ یہ لفظ نور عثمانیہ اور آصفیہ کے نسخوں سے لیا گیا ہے اور یہی صحیح ہے۔ اس کے برخلاف اصل نسخے میں "الروعات" لکھا ہے جو غلط ہے۔ فرماتے ہیں:

(۱) من نع وصف وهو الصواب وفی الاصل : الروعات خطأ (۲/۲)

۷-قطعہ نمبر ۲۸۱ ذو الرمہ کے ایک شعر پر مشتمل ہے جو یہ ہے:

خليلی عوجا من صدور الرواحل بجمهور حزوی فابكيا فی المنازل

یہاں لکھا کہ یہی شعر نور عثمانیہ کے نسخے میں بھی ہے لیکن دیوان ذو الرمہ میں اکتالیس اشعار مذکور ہیں، اصل عبارت دیکھیے:

مثله فی نع وعدد ابياتها فی الديوان ٤١ ابياتا (۲۰۴/۲)

یہ محقق کی شان ہے کہ اس نے اکتالیس اشعار کی مزید اطلاع دی جب کہ مولف نے صرف ایک ہی شعر درج کیا۔

۸-حارث بن خالد بن العاصی المخزومی کا ایک قطعہ ہے جو نمبر ۳۰۸ کے تحت درج ہے۔

اشعار یہ ہیں:

أظليم ان مصابكم رجلا اهدى السلام تحية ظلم

اقصيته و اراد وصلكم فليهنه اذ جاء ه السلم

لقاء حمكور لخلخلها عجزاء ليس لعظمها حجم

[وكان غالية تباشرها تحت الثياب اذا صفا النجم]

فاضل محشی نے پہلے شعر کے پہلے لفظ "اظلیم" پر لکھا کہ لسان العرب میں اس لفظ کے بجائے " اسلیم " ملتا ہے جبکہ اظلیم ہی صحیح ہے۔ کیونکہ ظلیم ظلیمة کی ترخیم ہے اور ظليمة ظلوم کی تصغیر ہے۔ اظلوم کی روایت بھی ملتی ہے۔ ظلیم عمران کی والدہ اور عبداللہ بن مطیع کی زوجہ تھیں۔ اصل عبارت یہ ہے:

(۱) وفي اللسان "اسليم" وصوابه "أظليم و ظليم" : ترخيم ظليمة و ظليمة تصغير ظلوم تصغير الترخيم ويروى اظلو م وظليم : هي ام عمران ، زوجة عبد الله بن مطيع ۔(۲۱۶/۲) دوسرے شعر کے "اراد" پر علامہ سیوطی نے "اقصدته واردت لکھا ہے، لسان العرب میں اقصدته و اراد سلمكم" کی عبارت ملتی ہے۔ اصل عبارت ملاحظہ کیجیے۔

(۲) وفي السيوطي : اقصدته واردت وفي اللسان : اقصدته واراد سلمكم۔

اس شعر کے ایک دوسرے لفظ "السلم" پر بھی حاشیہ ہے کہ کتاب الاغانی میں "اذ جاءك" اور لسان میں "اذ جائكم فلينفع السلم" موجود ہے۔ اصل عبارت یہ ہے:

(۳) وفي الاغاني : اذ جائك وفي اللسان : اذجائكم فلينفع السلم ۔(۲۱۷/۲)

تیسرے شعر میں ایک لفظ "حمكور" ہے اس کے متعلق لکھا کہ یہی لفظ سیوطی نے لکھا ہے لیکن کتاب الاغانی میں "حملوء" مذکور ہے۔ لکھتے ہیں:

(۴) مثله في السيوطي وفي الاغاني "مملوء" ۔(۲۱۷/۲)

دوسرے لفظ "عجزاء" پر بھی حاشیہ ہے کہ علامہ سیوطی نے "عجراء" لکھا ہے جو السمینہ کے معنی میں آتا ہے۔ اصل عبارت یہ ہے:

(۵) وفي السيوطي : عجراء والعجراء : السمينة ۔ (۲/۲۱۷)

لفظ صغا النجم کے حاشیہ میں ہے کہ یہ لفظ نور عثمانیہ کے نسخے سے لیا گیا ہے، الصغالیہ خوشبو کی ایک قسم ہے، صغا النجم کے معنی ستارہ غروب کی طرف مائل ہونے کے ہیں، اصل عبارت یہ ہے:

(۶) من نع والغالية : ضرب من الطيب وصغا النجم : مال للغروب ۔ (۲/۲۱۷)

۹- قطعہ نمبر ۲۲۸ پر ماجد بن مخارق الغنوی کے نو اشعار میں دو اشعار ہیں:

لك الخير لا تعجل الى حرب معشر فريدا وحيدا وابغ نفسك ثانيا

فقلت اخي سيفي ورمحي ناصري ودرعي لي حصن ومهري تلاعيا

"فریدا" اور "ناصری" پر حاشیہ دیا کہ آصفیہ میں اس کے بجائے "جمعیا" ہے اور اصل نسخے میں "و ناصری" واؤ کے ساتھ ہے جو غلط ہے، اصل عبارت یہ ہے۔

(۱) في صف : جميعا ۔

(۲) وفي الاصل : ناصري خطأ ۔ (۱/۱۰۹)

شعراء کی تحقیق: شعراء کے اصل نام، صحیح القاب وکنیت، آبا و اجداد اور قبائل کی تحقیق وقت طلب کام ہے اور اگر قلمی نسخے میں اغلاط در آئیں تو یہ کام اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ حماسہ بصریہ کے مذکورہ نسخہ میں متعدد خامیاں تھیں۔ کہیں شعراء کے نام اور القاب وکنیت کی کتابت غلط طور پر ہوگئی تھی تو بعض مقامات پر آباء واجداد کے نام ہی نہیں تھے یا ان کے بارے میں غلط اطلاعات تھیں۔ جابجا قبائل کے متعلق صراحت و وضاحت کی کمی تھی۔ ایسے تمام مقامات پر فاضل محقق نے تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ انہوں نے درجنوں کتب مصادر یعنی تاریخ و تذکرہ، جغرافیہ، انساب، رجال اور سیرت کی مستند ترین کتابوں سے استفادہ کیا اور صحیح معلومات کو سلیقے سے حواشی میں پیش کر دیا۔ یہاں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ قطعہ نمبر ۱۴۵ کے تحت شاعر کا حوالہ اس طرح ہے:

وقال ابو الولید الانصاری وتروی لحسان بن ثابت۔

اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ابو الولید الانصاری اور حسان بن ثابت الگ الگ شاعر ہیں حالانکہ اصل میں دونوں ایک ہیں۔ پروفیسر آرزو نے ''الانصاری'' کے حاشیہ میں لکھا کہ ابوالولید دراصل حسان بن ثابت کی کنیت ہے:

ابو الولید حسان بن ثابت الانصاری

یہ بھی لکھا کہ نورعثمان اور اصل نسخے میں صرف قال ابو الولید الانصاری ہے جبکہ کتاب الاصابہ میں صاف صاف ابو الولید حسان بن ثابت الانصاری آیا ہے۔ پوری عبارت یہ ہے:

"کذا فی الاصل ونع وصف : وقال ابو الولید الانصاری فقط ۔ وفی الاصابہ فی ترجمة حسان بن ثابت الانصاری : ابو الولید حسان بن ثابت الانصاری و سھل بن حنیف الانصاری و عبادہ بن الصامت و عتبہ بن عبد السلمی تقدموا ۔ و قد راجعت تراجم ھولاء فیما تقدم فکان الامر کذالك غیرانھم لم یذکرو بشعرا فی الخالدین ۲۷۷ لابی ابو الولید الانصاری کما فی التعلیق السابق نظھر فیما تقدم ان الشعر لحسان اذ کنیته ابو الولید کما فی الاصابه والاعلام والشعر والشعراء و ۲۷ بیتا من ھذہ العقیدة موجودة فی دیوان حسان جامع جب میموریل ۱۳،۱۴۔۱/۶۷-۶۸)

۲۔ قطعہ نمبر ۱۵۲ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ قال الطلابی عبیدہ بن مجیب بن المفرحی کا کلام ہے۔ ''عبیدہ'' پر حاشیہ ہے کہ یہی صحیح ہے۔ اصل نسخے میں ''عبادہ'' درج ہے جو غلط ہے۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو:

(۱) وقع فی الاصل : عبادة خطأ وقد تقدم ان اسمه عبیدا و عبد الله علی الخلاف فیه ۔ (۱/۷۲)

۳۔ قطعہ نمبر ۱۵۰ کے شاعر کا نام الاشتر النخعی الاسلامی لکھا گیا ہے۔

قال الاشتر النخعی اسلامی ۔

آرزو صاحب نے لکھا کہ یہ اسلامی نہیں مخضرمی شاعر ہے۔

(۱) فی صف : مخضرم ادرك الجاهلیة والاسلام ۔(۱/۷۱)

۴-قطعہ نمبر ۱۹۲ کے شاعر کا نام عنترہ بن الاخرس الطائی لکھا ہے "الطائی" پر حاشیہ لکھ کر وضاحت کی گئی کہ آمدی نے عنترہ بن عکبرہ الطائی کیوں لکھا؟

(۱)وفی الآمدی : عنترہ بن عکبرہ الطائی وعکبرۃ ام امہ وبھا یعرف وھو عنترہ بن الاخرس الطائی ۔

جابجا شعرا کے نام کی تحقیق کے علاوہ ان کے مفید اور معلومات افزا مختصر حالات بھی دیے گئے ہیں جیسے ایک نام بہدل بن ام قرفہ الطائی کا نام آیا ہے۔حاشیے میں کتاب الاصابہ کے حوالے سے اس کے حالات اس طرح نقل کیے۔

وبھدل ترجمہ له فی الاصابہ ۱/ ۱۸۲ بقوله : وبھدل الطائی له ادراك وقتلت امہ ام قرفہ فی عھد النبی ﷺ وعاش هوالی ان قتل یحیی بن جعدہ بن هبیرہ فی زمن ابن الزبیر فاقید به ذکرہ البلاذری فی الانساب وخبر قتله ذکرہ فی شرح الحماسه ایضاً بشرح المرزوقی ۔(۱/۸۷)

۵-قطعہ نمبر ۸۷ کے تحت شاعر کا ذکر اس اختصار سے ہے:قال ابو الشیص محمد بن رزین الخزاعی۔

حاشیے میں تفصیل دی گئی کہ اس کا نام محمد بن عبداللہ بن رزین ہے،معروف شاعر دعبل الخزاعی کے چچا کا بیٹا تھا جو ہارون الرشید کے عہد میں ابونواس کا معاصر تھا۔اس کی طرف کچھ اشعار منسوب کیے جاتے ہیں جنہیں وہ گا کر پڑھتا رہتا تھا۔اس کا پہلا شعر یہ تھا

وقف الھوی بی حیث انت فلیس لی متقدم عنه ولا متاخر

۶-قطعہ نمبر ۸۸ کے یحییٰ بن زیاد الحارثی کا کلام ہے۔یحییٰ پر حاشیہ دیا گیا کہ یہ نور عثمان کے نسخے سے لیا گیا ہے۔اصل نسخے میں محمد درج ہے جو غلط ہے۔تاریخ بغداد،لسان المیزان، الکامل للمبرد،المرزبانی اور اعلام الزرکلی میں اس کے حالات ملتے ہیں،وہ کوفہ کا ہزل گو شاعر تھا۔ اس کو زندیق کہا گیا کیونکہ وہ مطیع بن ایاس اللیثی وغیرہ کی صحبت میں رہتا تھا۔

یہ چند مثالیں ہیں،طوالت کے خوف سے ان پر اکتفا کیا گیا ورنہ دونوں جلدوں میں

اور بھی مثالیں موجود ہیں۔

مقامات کی تحقیق: شعراء کے علاوہ مقامات کی تحقیق میں بھی مفید معلومات ہیں۔ دو مثالیں بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

۱- قطعہ ۲۹۸ عروہ بن الورد الکنانی کا ہے جس میں پانچ اشعار درج ہیں۔ پہلا شعر یہ ہے:

سقی سلمی و این دیار سلمی　　　اذا کانت لمجاورة السریر

"السریر" کے حاشیے میں وضاحت کی گئی کہ نور عثمانی کے نسخے میں یہ "السدیر" ہے اور السدیر یا السریر بلاد بنی کنانہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔ اصل عبارت پڑھیے:

(۱) وفی لغ السدیر و السریر موضع فی بلاد بنی کنانہ ۔(۲/۲۱۲)

۲- باب التابین والرثاء کا قطعہ ۱۳۱ حارثہ بن بدر کا ہے جو زیاد بن ابیہ کے مرثیے میں ہے، اس میں چھ اشعار ہیں۔ پہلا شعر یہ ہے:

صلی الالہ علی قبر و طھرہ　　　عند الثویۃ لیسفی فوقہ المور

اس شعر میں لفظ "الثویہ" کے متعلق کتاب المعجم اور کتاب البلدان کے حوالے سے بتایا گیا کہ یہ حیرہ سے الگ ایک گاؤں ہے اور کوفہ سے قریب ہے۔ اسی جگہ زیاد کا انتقال ہوا تھا۔

قبائل کی تحقیق: قبائل کے متعلق تحقیق کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱- قطعہ ۳۷ حارث بن عباد العبسی کا ہے۔ العبسی کے حاشیے میں صراحت کی گئی کہ حارث بن عباد قبیلہ بنو بکر کے خاندان کا فرد تھا۔ وہ العبسی نہیں تھا جب کہ مولف کا گمان ہے۔

ھو البکری لا العبسی کما وھم المولف (۱/۱۷)

۲- اسی طرح شاعر اعشی میمون الباہلی کا حاشیہ بتاتا ہے کہ اعشی میمون باہلی نہیں تھا بلکہ وہ باہلی ایک دوسرا شاعر تھا جس کا نام عامر بن حارث تھا۔ ان کی عبارت یہ ہے " المیمون لیس بباھلی والباھلی ھو عامر بن الحارث" ۔(۱/۸۵)

مصادر کے بہ کثرت حوالے: آرزو صاحب کی تحقیق میں مصادر و مراجع کی کثرت خاص طور پر توجہ مبذول کراتی ہے کہ ایک ایک لفظ کے لیے انہوں نے کیسی عرق ریزی کی اس سے ان کے مطالعہ کی وسعت کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ متعلقہ بحث کے لیے انہوں نے تقریباً تمام موجودہ

دستیاب مراجع سے رجوع کیا اور جلد و صفحات کے حوالوں سے اپنی عبارت کو اعتبار عطا کیا۔ اس جاں فشانی کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱- حماسہ بصریہ کا آغاز عمرو بن الاطنابہ الانصاری کے قطعہ سے ہوتا ہے۔ اس کے حاشیے میں وہ لکھتے ہیں کہ:

الابیات فی دیوان المعانی للعسکری ۱۱۴ والسیوطی ۱۸۶ والعینی ٤/ ٤١٥ والاختیارین ٤٢ والاربعة فی مجالس ثعلب ۸۳ وکتاب بغداد لابن الطیفور ٦/ ٤٢٨، الخالدیین ١١، ١٣٩، والمرزبانی ٢٠٤ وابن الجراح ٢٣، والوفیات ٢/ ٥٥٨ والنویری ٣/ ٢٢٧ والعقد ١/ ٣٩ وبعض الابیات فی الحیوان ٦/ ٤٢٥ وابن الاثیر ١/ ٥٠١ و ٣/ ٢٥١ والقالی ١/ ٢٦٢ والثلاثة فی الکامل ٨٥٣ والبحتری ٩ وابی الفداء ١/ ١٨٥ والالفاظ لابن السکیت ٤٤٣ والمجتنی ٤١ ووقعة صیغن ٤٤٩، ٤٦٠ والعیون ١/ ١٢٦ ولباب الآداب لاسامه، والبیت ٣ فی البلاذری ٢١٨ وابن عساکر ٧/ ٢٦٤ والابیات ١، ٣ فی اللآلی ٥٧٤ ۔(۱/۳)

۲- اسی طرح قطعہ عباس بن مرداس السلمی کے چار اشعار کے حاشیہ میں لکھا:

الابیات فی الاصمعیات والعینی ٤/ ٥٧٥ والاغانی ٦/ ٣٤٢ والمعاهد ١/ ١٣ والبیت الرابع فی الحیوان ٢/ ١٤٢ ۔(۱/۱۰)

۳- قطعہ نمبر ۸۹ المثقب العبدی کا ہے۔ جس میں سات اشعار ہیں۔ آرزو صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ اس کے تین اشعار امالی الزجاجی علی بن بدال کے نام سے ملتے ہیں۔ دو اشعار (نمبر ۴، ۵) امالی الیزیدی میں اور دو اشعار (نمبر ۴، ۷) اس کے دیوان میں موجود ہیں۔ اصل عبارت یہ ہے:

الابیات الثلاثة فی امالی "الزجاجی" ٤ العلی بن بدال والخزانة ٣/ ٣٥٢ والمجتنی ٨١ (مصر) والبیتان ٤، ٥ فی امالی الیزیدی رقم ٥٩ والمرزبانی ٣٠٣ والخزانة ٤/ ٤٢٩ والبیتان ٤، ٧ فی دیوانه ٣٨ ۔(۱/۴۰)

۴- قطعہ نمبر ۱۴۴ انصلہ اسلمی کا ہے۔ جس میں پانچ اشعار ہیں۔ ان کے بارے میں تحقیق کا یہ انداز دیکھیے:

(۱) یہ قطعہ العقد، مجالس ثعلب اور المیدانی میں موجود ہے۔

(۲) شعر نمبر ۱-۲ نضلہ السہمی کے نام سے مجموعۃ المعانی میں ہیں۔

(۳) شعر نمبر ۲، ۴ لسان میں ہیں۔

(۴) ایک قول کے مطابق یہ قطعہ کتاب البیان میں ابوالمحجن الثقفی کے نام سے درج ہے۔

(۵) یہ قطعہ لمجالس ثعلب میں بنوسلیم کے ایک فرد کے نام سے موسوم ہے۔

(٦) آرزو صاحب لکھتے ہیں کہ البتہ لیڈن کے دیوان ابی محجن میں یہ قطعہ انہیں نہیں ملا۔

اب اصل عبارت ملاحظہ کیجیے:

العقد ۳/ ۱۰۷ ومجالس ثعلب ۸ والابیات ۱، ۲، ۵، فی مجموعة المعانی ۱۵۵ لنضلة السهمی، وفی المحاضرات ۱/ ۷٦ بغیر عز والمیدانی ۱/ ٦٨ و ۲۸۰ و البیتان ۲، ٤ فی اللسان والابیات فی البیان ۳/ ۳۳۸ ابی محجن الثقفی و فی مجالس ثعلب ۸ لرجل من سلیم ولم اجد الابیات فی دیوان ابی محجن (لیدن) ۱۳۰۳۔(۱/٦۷)

سدیف بن میمون کے دو قطعات قطعہ نمبر ۱۹۵-۱۹٦ کے تحت درج ہیں۔ قطعہ اول کے مصادر کے بارے میں لکھا کہ یہ قطعہ کتاب الاغانی اور ابن ابی الحدید میں موجود ہے۔ کتاب الکامل میں ۲، ۳، ۷ کے ماسوی ابیات موجود ہیں۔ ابن المعتز میں کچھ اشعار ملتے ہیں۔ المحاضرات میں دو اشعار اور مجموعۃ المعانی میں پانچواں شعر ملتا ہے۔

۵- جلد دوم کے قطعہ نمبر ۲۸۴ پر محمد بن عبداللہ النمیر کا کلام ہے۔ جس میں تیرہ اشعار ہیں، پہلا شعر یہ ہے۔

تضوع مسکا بطن نعمان اذ مشت به زینب فی نسوة عطرات

پروفیسر آرزو کی تحقیق یہ ہے کہ یہ قطعہ تو مصادر میں مذکور ہے لیکن اشعار کی تعداد کم و بیش ہے۔ کتاب الاغانی، کتاب الکامل، اخبار النساء اور کتاب القالی میں یہ قطعہ بعینہ درج ہے۔ لیکن کتاب المحاسن والاضداد، الحصری اور العقد الفرید میں کچھ اشعار موجود ہیں۔ مجالس ثعلب میں ۷-۱۹ اشعار اور کتاب الزہرہ میں بلا انتساب شاعر درج ہے۔

اخبار علمیہ

محققین کے مطابق کرد قوم کے وجود کا علم دو ہزار سال قبل مسیح سے ملتا ہے، یہ قوم خود کو اولادِ نوح کہتی ہے، کردستان میں حضرت نوحؑ کی دس گز لمبی قبر بھی ہے، ساتویں صدی عیسوی میں یہاں عرب آئے پھر یہ علاقہ سلجوقی، منگولی اور سترہویں صدی سے صفوی اور عثمانی ترک فرماں رواؤں کے زیر اقتدار رہا، پہلی جنگ عظیم میں سلطنت عثمانیہ کے خاتمہ کے بعد آزاد کرد مملکت کے قیام کی تجویز امریکہ نے رکھی اور تب سے کردوں کے معاملات میں امریکہ کی مداخلت شروع ہوگئی، دراصل عالم عرب کے وسط میں امریکہ ایک عیسائی مملکت کا خواہاں ہے، سقوط عراق کے بعد اس کے لیے اس کی کوششیں تیز تر ہوگئی ہیں اور اس کا یہ منصوبہ کامیاب بھی ہوتا نظر آرہا ہے، خبر ہے کہ بین الاقوامی ڈیولپمنٹ کی امریکی ایجنسی (USAID) تیزی کے ساتھ یہاں تعلیمی اور علمی مراکز قائم کر رہی ہے جنہیں کرد حکومت نے مفت آراضی بھی فراہم کی ہے۔ مسلمانوں میں مسیحیت کے فروغ کے لیے عربی زبان میں ایسی کتابیں تقسیم کی جارہی ہیں جن میں قرآن مجید، آنحضورؐ اور اسلامی تعلیم کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کیے جارہے ہیں، ''قرآن میں تضادات'' نامی کتاب تقسیم کی جارہی ہے اور قرآن کو عیسائی تعلیمات کا چربہ قرار دیا جارہا ہے جس کے نتیجہ میں مسلمان آہستہ آہستہ مسیحیت کی جانب مائل ہورہے ہیں، مقصد صاف ہے کہ مسلمانوں کو عیسائی بنا کر کردستان کو مکمل عیسائی ریاست میں بدل دیا جائے۔

کمپیوٹر کی دنیا سے دلچسپی رکھنے والے افراد واقف ہیں کہ ۲۰۱۰ء کا سال ای ریڈرز اور ٹیبلٹس کمپیوٹرز کی مقبولیت کا سال تھا، ۲۰۱۱ء میں اس میں حیرت انگیز اضافہ متوقع ہے۔ کثیر المقاصد موبائیل آلات، اسمارٹ فون سیٹ اور آئی پیڈ کی وجہ سے کتاب آلہ کتاب میں تبدیل ہوجائے گی، گذشتہ سال آلات مطالعہ رکھنے والے امریکیوں کی تعداد ۱۱ ملین تھی اور آیندہ برس یہ ۱۵ ملین تک پہنچ سکتی ہے، کمپنیاں ای بک کو مزید بہتر کرنے کی فکر میں لگ گئی ہیں، بیٹری کی طاقت، میموری اور رنگ میں اضافہ، ڈاؤن کے لیے وائرلیس طریقہ کو بہتر بنانے کی کوشش ہورہی

ہے۔ای بکس کی قیمتیں کم ہوں گی، گذشتہ سال ای بک کی قیمت ۱۳رڈالر تھی۔ یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ گذشتہ برس امریکہ میں جو کتابیں فروخت ہوئیں ان میں دس فیصد ای بکس تھیں، نئے آلات اور جدید ٹیکنالوجی کا فروغ بھی کتاب کی شکل تبدیل کر رہا ہے، اب ڈیجیٹل ناول بازاروں میں آنے لگے ہیں جن کے ساتھ ویڈیو کلپ بھی ہیں، ڈیجیٹل کتابوں کو تھری ڈی بنایا گیا ہے، نصابی کتب بھی تھری ڈی میں آرہی ہیں، جاپان میں فون ناول کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے جس سے مختصر کہانیوں کی قدیم شکل کو فروغ مل رہا ہے، روایتی اور ڈیجیٹل کتب بینی میں مقابلہ آرائی ضرور ہے لیکن اس روایتی کتب بینی کا مکمل خاتمہ شاید ہی ہوسکے۔

ہندوستان کی مشہور تہلکہ میگزین میں شائع بین الاقوامی شہرت یافتہ ماہر معاشیات ۷۰ سالہ میگنا تھ ڈیسائی کا تجزیہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ وہ ایک غیر مسلم دانشور کا حقیقت آمیز تبصرہ اور ہندوستانی قیادت کے لیے لمحہ فکریہ ہے، اس میں انہوں نے دوٹوک انداز میں کہا ہے کہ ہندوستان سیکولر ملک نہیں بلکہ ایک ہندو ملک ہے جہاں ہندو مذہب کے احیاء کا عمل جاری ہے اور سیاست کے ہر شعبہ کا نصب العین ہی ہندو ازم کا فروغ و ارتقاء ہے۔ان کا خیال ہے کہ مذہبی تشدد کا جنم کانگریس کی کوکھ سے ہوا، مسلمانوں کے خلاف نفرت کی جو تخم ریزی کانگریس نے برسوں پہلے کی تھی آج اس کا پھل ہندو دہشت گردی کی صورت میں ظاہر ہورہا ہے۔ کانگریس نے سیکولرزم کے نام پر پوشیدہ طور پر ہندو اکثریتی ملک کی تعمیر اور اکثریتی طبقہ کی بالادستی کے لیے کوشش کی ہے، تقسیم ہند کے دوران جو کچھ ہوا اس کی سزا آج بھی مسلمان بھگت رہے ہیں، سیکولر ہندوستان میں مسلمانوں کے ہر طرز عمل پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے، آزادی سے قبل سیاست میں مسلم قائدین کی اہمیت تھی، کیا وجہ ہے کہ مولانا آزاد کے بعد اس ملک میں کوئی بھی قدآور لیڈر نہیں پیدا ہوا، پروفیسر نے کہا کہ سیکولر کہلانے والے کانگریسی لیڈر دراصل "بنیاد پرست" سیکولر ہیں، جو مسلمانوں کی حب الوطنی پر شک کرتے ہیں، آج اس سیکولر ملک میں کوئی مسلمان صدر یا نائب صدر تو بن سکتا ہے لیکن وزیر خزانہ، وزیر داخلہ، وزیر دفاع یا وزیر اعظم نہیں بن سکتا ہے۔

ادارہ تحقیقات اسلامی، پاکستان کے "اخبار تحقیق" کے مطابق دبئی کے ایم بی سی اور قطر

کے پبلک میڈیا گروپ کے درمیان معاہدہ میں طے پایا ہے کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کی زندگی اور سیاسی کارناموں پر ٹی وی سیریل تیار کیا جائے۔ عربی زبان میں تیار ہونے والے اس سیریل کو اردو، فارسی اور دوسرے مسلمان ممالک کی زبانوں میں بھی منتقل کیا جائے گا، اس کا مقصد خلیفہ دوم کے عہد کی تاریخی فتوحات اور اسلامی نظام حکومت و معاشرت کو موثر انداز میں پیش کرنا اور اس کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا ہے، توقع ہے کہ آیندہ رمضان میں اس کو پیش کردیا جائے گا۔

اسلامک انفارمیشن اینڈ ڈاکومنٹیشن سنٹر نے فارسی زبان میں ''وکی فقہ'' یعنی اسلامی انسائیکلوپیڈیا کا آغاز کیا ہے جس میں قوانین اسلامی کے علاوہ عقائد اسلامی سے متعلق متعدد مسائل درج ہیں، وکی فقہ ویب سائٹ کا ایک حصہ دانشوروں اور فلاسفہ کے لیے ہے جو مختلف اسلامی موضوعات پر مباحثہ میں حصہ لے سکتے ہیں، www.islamicdoc.org. پر اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

ملیشیا میں ۲۱ لاکھ ہندوستانی نژاد افراد ہیں جن کی اکثریت کا تعلق تمل ناڈو سے ہے۔ ۱۹۷۱ء میں شائع ہونے والا ''انٹرلاک'' نامی متنازعہ ناول کوالا لمپور، پتراجیہ، سلانگور، نگری سمبیلان وغیرہ علاقوں کے اسکولوں کے نصاب میں داخل ہے لیکن چونکہ اس میں ذات پات کے نظام کے تعلق سے کچھ قابل اعتراض حصے ہیں اس لیے وہاں کے وزیر تعلیم محی الدین یٰسین نے ملیشیائی انڈین کانگریس کے قائدین کو اطمینان دلایا ہے کہ متنازع حصوں کو نکال کر اس میں مناسب تبدیلی کردی جائے گی۔

یہ خبر دلچسپ ہے کہ ہندوستان میں سکہ سازی کی تاریخ میں پہلی بار حکومت ۱۵۰ روپے کا سکہ جاری کرنے کا ارادہ رکھتی ہے، اس میں چاندی، تانبا، نکل اور زنک دھاتوں کا استعمال ہوگا۔ سکے کے اگلے حصہ پر ''ستیہ میو جے تے'' اور ''انڈیا'' درج ہوگا اور دوسری جانب ''چانکیہ'' اور ''کنول'' کا مرقع ہوگا جس پر شہد کی مکھی کو بھی دکھایا جائے گا۔

ک۔ص۔ اصلاحی

معارف کی ڈاک

دینی تعلیمی کونسل

جنرل سکریٹری، دینی تعلیمی کونسل
عارف آشیانہ، چوک لکھنؤ-۳
۲۰۱۱/۳/۱۱ء

مکرمی و محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جنوری ۲۰۱۱ء کا معارف، میں تاخیر سے دیکھ سکا۔ علوم و معارف کا یہ گنجینہ مسلسل اہل علم کو متاثر کرتا رہتا ہے اور یہ تاثر اُبھر اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ معارف علمی اور ادبی صحافت کی آبرو ہے۔ بزرگوں نے صراطِ مستقیم کے جو نقوش چھوڑے تھے الحمد للہ دار المصنفین کے موجودہ فاقہ مستوں کا قافلہ دنیاوی راحت و آرام سے بے نیاز و بے فکر جذبہ و حوصلہ اور استقامت فکر کے ساتھ اسی راہ پر گامزن ہے۔ علامہ شبلیؒ کی روح خوش ہو رہی ہوگی کہ ان کی میراث علم و عمل اب تک تقسیم ہو رہی ہے اور آیندہ بھی ہوتی رہے گی۔ یہ ایک دولتِ لازوال ہے اور اس کا طریقہ تقسیم بھی بے مثال ہے۔

جنوری کا معارف ذاتی طور پر میرے لیے ایک عظیم نعمت ہے۔ آپ نے شذرات میں دینی تعلیمی کونسل کے قیام سے لے کر اب تک نصف صدی پر محیط اس کی افادیت و اہمیت اور خاموش خدمت کا ذکر بڑی محبت سے کیا ہے۔ ایک ایک سطر اس کی شاہد ہے۔ یہ دینی تعلیمی کونسل کے پچاس سالہ سفر کے اختتام پر دار المصنفین جیسے عظیم ادارے کی طرف سے ایک ایسا تحفہ ہے جو آیندہ پچاس برسوں کے لیے مہمیز کا کام کرے گا۔

دار المصنفین میں اس تحریک کو ہمیشہ قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے۔ حضرت شاہ معین الدین احمد ندوی صاحبؒ دینی تعلیمی کونسل کے رکن تھے، ان کا ایک خطبہ صدارت فکری اعتبار سے بہت قیمتی تھا جواب تک محفوظ ہے۔ میرے والد ماجد مولانا محمود الحسن صاحبؒ کے انتقال پر میرے کرم فرما جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحبؒ نے معارف (نومبر یا دسمبر ۸۵ء) میں جو مضمون تحریر فرمایا تھا اس میں دار المصنفین اور دینی تعلیمی کونسل کے علمی رشتے کا اظہار ہوتا تھا۔

دینی تعلیمی کونسل گذشتہ پچاس برسوں سے تعلیم کے محاذ پر سنجیدگی اور خاموشی سے سرگرم عمل ہے۔ یہ ایسا منظر نامہ ہے جس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ آپ نے حضرت مولانا علی میاںؒ کا جو اقتباس نقل کیا ہے وہ تحریک کی افادیت کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ یہ محاذ اگر پوری توانائی اور جرأت سے سنبھالا نہ گیا ہوتا تو موجودہ حالات کی روشنی میں اندازہ کیجیے کہ صورت حال کیا ہوتی کم از کم اردو کے متعلق تو یہ بات یقینی طور سے کہی جاسکتی ہے کہ اس کا وجود ختم ہوگیا ہوتا، اتنا سب کچھ کرنے کے باوجود محبان اردو کی اپنی زبان سے دلچسپی صرف اس حد تک نظر آتی رہے کہ حکومتوں سے مطالبات میں وہ اپنی آواز بلند کرتے رہتے ہیں۔ جس زبان کو گھروں سے کھینچ کر باہر کردیا گیا اس کے متعلق مردم شماری کے اندراج پر چیخ چیخ کر مطالبہ کیا جاتا ہے۔ یہی طرز تغافل ہماری شناخت ہے اور طرہ یہ ہے کہ ہم اس پر ناز کرتے ہیں۔

دینی تعلیمی کونسل کا پرائمری مکاتب کا نظام تعلیم عصری اور دینی علوم پر مشتمل ہے اور دونوں کا ایک خوبصورت امتزاج نظر آتا ہے۔ ہر سال ہزاروں بچے مکاتب میں اردو اور قرآن پاک کے ساتھ ابتدائی دینی تعلیم اور پرائمری سطح کے عصری علوم حاصل کررہے ہیں۔ یہ تصویر کا ایک رخ ہے دوسرا رخ ایسا المناک ہے کہ ملک کی آزادی کے بعد سے اب تک کے شدید حالات میں بھی مسلمانوں میں سنجیدہ شعور نہیں بیدار ہوسکا۔ علم دوستی کا جو مزاج بننا چاہیے تھا وہ نہیں بن سکا۔ بہرحال اب تک اسی ماحول میں کام ہوا ہے آیندہ بھی ہوگا۔ مایوسی پہلے بھی نہیں تھی اب بھی نہیں ہے۔ دکھ ضرور ہے کہ ملت کے ہر فرد کو جس طرح تیار ہوجانا چاہیے تھا، اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرکے زبان و تہذیب کی حفاظت کے لیے کمربستہ ہوجانا چاہیے تھا اور یہ تاثر دینے کی کوشش ہونی چاہیے تھی کہ ہم اپنے اثاثے کو خود محفوظ رکھیں گے لیکن ہوا یہ کہ ہم حکومتوں کے آگے فریادی اور بھکاری بنے رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ سچر کمیشن نے ہماری اسی شناخت کو تسلیم کرتے ہوئے دنیا کے سامنے پیش کردیا۔ ہم اس کے بعد بھی نہیں چونکے۔ یہی سب سے بڑا المیہ ہے۔

آپ نے شذرات میں جس محبت اور تعلق کا اظہار کیا ہے اس نے دینی تعلیمی کونسل کے وقار و اعتبار میں اضافہ کیا ہے۔ میں پھر اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میرا ایک کتابچہ "آخری گفتگو" ارسال خدمت ہے، اس کے مطالعہ سے پوری بات واضح ہوگی اور انشاءاللہ آپ پسند کریں گے۔ پتہ نہیں کیا لکھتا چلا گیا لیکن اس کا ذمہ دار آپ کے قلم کا اخلاص ہے۔

والسلام

احقر (ڈاکٹر) مسعود الحسن عثمانی

وفیات

مفتی ظفیر الدین احمد مرحوم

افسوس کہ مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی اس دنیا سے ۳۱؍ مارچ کو رخصت ہوگئے۔ ان کے انتقال سے ایک ایسی شخصیت سے محرومی کا احساس ہوا جس کی ساری زندگی علوم اسلامیہ کی تحصیل، ترویج اور تبلیغ کے لیے وقف رہی۔ مفتی کا لفظ گویا ان کے نام کا جزو ہوگیا، کیونکہ وہ دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے برسوں وابستہ رہے لیکن اصلاً وہ صاحب قلم عالم تھے، تصنیف وتالیف کی خوبی کہنا چاہیے ان میں بدرجۂ اتم موجود تھی، دیوبند کے فتاویٰ کی ایک درجن جلدوں کو انہوں نے بڑے سلیقے سے مرتب کیا لیکن علمی دنیا میں ان کی شناخت بلکہ اعتبار واعتماد، اسلام کا نظام عفت وعصمت، اسلام کا نظام مساجد، اسلام کا نظام امن، اسلامی نظام معیشت جیسی نہایت مفید اور معلومات سے لبریز کتابوں سے قائم ہوا۔ نظام مساجد کی تالیف میں ان کو مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اور مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہم اللہ کی توجہ اور رہنمائی حاصل ہوئی، انہوں نے جس سلیقے اور محنت سے یہ کتاب سپرد قلم کی اور معلومات کا قیمتی ذخیرہ اس میں جمع کیا اس کی داد مولانا گیلانی نے یہ کہہ کر دی کہ ''عربی میں شام کے ایک عالم جمال الدین القاسمی کی کتاب اس باب میں مشہور تھی مگر میرا خیال ہے کہ احتواء واحاطہ میں مولانا ظفیر الدین کی کتاب کو دیکھ کر کم ترک الاول للاٰخرہ کا اعتراف کرنا پڑتا ہے''، اسی طرح ان کی ایک کتاب حیات مولانا گیلانی پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا کہ فاضل مصنف کی اس کتاب پر پیش لفظ لکھنے میں سعادت وعزت کا جو احساس اور قلبی مسرت حاصل ہورہی ہے وہ کم مواقع پر حاصل ہوئی، مولف کی ایک کتاب امارت شرعیہ کے مقدمے میں حضرت مولانا علی میاں نے لکھا کہ امارت کی تاریخ نگاری مشکل اور نازک کام تھا اور اس کے لیے مفتی صاحب ہر طرح سے اہل ہیں۔ اسی میں یہ جملہ بھی ہے کہ ''اگر مجھے ہندوستان کے کسی صوبے پر رشک آتا ہے تو بہار پر اور اگر بہار پر رشک آتا ہے تو امارت شرعیہ کی وجہ سے'' مفتی صاحب کی کئی اور کتابیں ہیں، مستند ومعتبر حوالوں سے معلومات کی فراہمی اور اسلوب کی سادگی ان سب میں نمایاں ہے اور اس لحاظ سے وہ گویا دبستان شبلی وندوہ کے نمائندے تھے، عملاً وہ دیوبند وندوہ کے بزرگوں سے قریب تر رہے، دارالمصنفین سے بھی مخلصانہ تعلق رہا، ان کے کئی خطوط معارف میں چھپے اور مطبوعات جدیدہ میں ان کی کتابوں کا ذکر خیر بھی رہا۔ ۱۹۲۶ء میں دربھنگہ کے

ایک گاؤں پورہ نوڈیہا میں پیدا ہوئے یعنی قریب ۸۵ سال کی عمر میں جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کا دل ضرور مطمئن ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صلاحیتوں کو قبولیت و برکت عطا فرمائی۔ علم کے ساتھ وہ حسن عمل کا بھی نمونہ تھے، سادگی، تواضع اور انکسار نے ان کی شخصیت کو جاذبیت عطا کردی تھی۔ فقہ اکیڈمی کی صدارت، مسلم پرسنل لا بورڈ کی تاسیسی اور امارت شرعیہ کی مجلس شوریٰ کی رکنیت ان کی قابلیت اور اہلیت کا اعتراف ہے، یقین ہے کہ حسن قبول کی یہ دولت بارگاہ الٰہی سے بھی ان کو عطا ہوگی، رحمه الله رحمة واسعة۔

ڈاکٹر احمر لاری مرحوم

۲۸ فروری کو پروفیسر احمر لاری بیاسی برس کی عمر میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ گورکھپور یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے تعلق رکھنے والے ایسے قابل اور محنتی استاد تھے جن سے ان کا شعبہ، ملک میں معروف ہوا اور وہ خود پروفیسر محمود الٰہی جیسے لائق ترین صدر شعبہ کی سرپرستی و رہنمائی میں ملک کے اچھے لکھنے والوں میں شمار ہوئے۔ بظاہر نحیف و نزار و بیمار نظر آتے لیکن قلم بڑا توانا تھا۔ حسرت موہانی ان کی تحقیق کا مرکز رہے، ان کا تحقیقی مقالہ جو بعد میں کتاب کی شکل میں شائع ہوا ان کی غیر معمولی محنت سے اپنے موضوع پر اسی طرح مصدر و مرجع بن گیا جیسا خود ان کے ایک رفیق پروفیسر افغان اللہ خاں مرحوم کا فراق پر مقالہ تھا، حسرت موہانی سے ان کا یہ تحقیقی تعلق، مستقل رشتے میں یوں بدلا کہ انہوں نے حسرت موہانی کے تذکرہ شعراء اور ارباب سخن کو بھی مرتب کر کے شائع کیا۔ ارباب سخن کا مقدمہ ان کی تنقیدی صلاحیت کا بڑا خوبصورت آئینہ ہے جس میں اردو تذکرہ نگاری کا انہوں نے جامع اختصار سے جائزہ لیا ہے۔

ان کی کتابوں میں گلدستہ نازنیناں، نکات سخن، غالب اور غالبیات اور اردو تنقید کا ارتقاء، نام بھی آتے ہیں۔ انہوں نے مختصر تاریخ گورکھپور بھی مرتب کی۔ ان کا اصل وطن قصبہ لار تھا لیکن انہوں نے پیمان وفا گورکھپور سے ایسا باندھا کہ بالآخر اسی کی خاک کا حصہ ہوئے۔ بیماری آزاری کے باوجود وہ وہاں کی علمی و ادبی مجلسوں میں ضرور شریک ہوتے، پروفیسر افغان اللہ خاں مرحوم کے بعد ان مجلسوں میں ان کے دم سے رونق تھی۔ افسوس ان کے جانے کے بعد ویرانی کا احساس اور زیادہ ہوگا کہ محض علم و ادب کا ایک شیدائی ہی نہیں ایک ملنسار، غمگسار اور دیندار انسان بھی رخصت ہوگیا، دارالمصنفین اور معارف سے بڑا والہانہ تعلق تھا۔ وہ جب اعظم گڑھ آتے تو دارالمصنفین ضرور تشریف لاتے، جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم اور مولانا ضیاء الدین اصلاحی مرحوم سے ہمیشہ مخلصانہ روابط رہے۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح مغفرت فرمائے۔

ع۔ص

مطبوعات جدیدہ

اسلام اپنی نگاہ میں: از ساچیکو مراتا اور ولیم سی چیٹک، مترجم جناب محمد سہیل عمر، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۶۳۴، قیمت ۶۰۰ روپے،

پتہ: اقبال اکادمی-۱۱۶ میکلوڈ روڈ، لاہور، پاکستان۔

اسلام کو سمجھنے اور سمجھانے کی راہ مسلمان مفکروں اور مبلغوں اور درسیات اسلامیہ کے اساتذہ کے لیے شاید زیادہ دشوار گزار نہیں لیکن ذمہ داری اگر کسی غیر مسلم پر آتی ہے تو یہ راہ اتنی آسان بھی نہیں، زیر نظر کتاب اس لحاظ سے انفرادی شان رکھتی ہے کہ یہ دو ایسے مستشرقین کی کاوشوں کا نتیجہ ہے جنہوں نے امریکا میں مطالعات اسلام کے استاد کی حیثیت سے اسلام کو اس نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کی جو بقول ان کے خود اسلام کی اپنی نگاہ ہے، ساچیکو مراتا جاپانی خاتون ہیں اور ولیم سی چیٹک امریکی ہیں، دونوں نے ایران میں فارسی زبان و ادب کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور اب یہ دونوں امریکا کی اسٹیٹ یونیورسٹی میں مطالعہ مذاہب کی تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں، انہوں نے اسلام کے بارے میں مختلف رجحانوں اور متضاد نظریوں سے تعلق رکھنے والے طالب علموں کی نفسیات کو سمجھنے کے بعد فیصلہ کیا کہ ان کے سامنے اسلام کو ایسے انداز میں پیش کیا جائے جس سے یہ پتا چلے کہ اسلام وہ تصور کائنات ہے جو آج بھی کروروں لوگوں کو زندگی کے معنی عطا کر رہا ہے اور یہ خود اسلام کی اپنی زبان اور اپنی نظر کے مطابق ہو، اس طریقہ کار سے انہوں نے ارکان اسلام، قرآن و سنت، فقہ و سیاست، ایمان، توحید، نبوت، آخرت، احسان، تاریخ جیسے موضوعات پر اپنی معلومات کا ایک دریا بہا دیا ہے، کتابت کی ضخامت سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بنیادی موضوعات پر کیسی ہمہ گیر گفتگو کو پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے، مستشرقین کے مطالعہ میں عموماً جانب داری بلکہ زیادہ واضح الفاظ میں اسلام اور قرآن اور نبی کریمؐ پر طعن اور مصادر اسلامیہ میں تشکیک کا عنصر غالب رہتا ہے، تاہم یہ کتاب جو تدریسی گفتگو کا حاصل ہے، خوش گوار طور پر اس استشراقی عنصر سے پاک ہے، سلامت فہم و فکر ہے کہ مولفین کو جدید علمی دنیا کے نقطہ ہائے نگاہ سے دلچسپی نہیں یا معاصر معیاروں کو بنیاد بنا کر کسی ایک غالب نقطہ نظر کا اسیر بننے کی خواہش نہیں بلکہ ان کا واضح اعلان ہے کہ ہم اسلام کو ماضی کے ان عظیم مسلمانوں کی نگاہ سے دیکھنا چاہتے ہیں جن کے ہاتھوں تفسیر و تعبیر قرآن کے مرکزی اسالیب کی صورت گری ہوئی ہے، اس سلسلے میں

ان کا یہ کہنا بڑا پر معنی ہے اور فکر انگیز بھی کہ "آج کے مطابق" ہونے سے زیادہ لمحاتی، گریز پا اور پر فریب تجریدی چیز اور کچھ نہیں ہو سکتی ہے اس کتاب کے مباحث کی تفصیل کی ظاہر ہے یہاں گنجائش نہیں، اس کا اصل لطف کتاب کے بالاستیعاب مطالعہ میں ہے، مثلاً قرآن مجید کے تعلق سے ایک طویل لیکن اتنی ہی دلچسپ بحث ہے، معانی سے قطع نظر لسانی ہیئت پر کتاب کے مولفین کا نقطۂ نظر، مستشرقین سے بالکل جدا ہے کیوں کہ وہ قرآنی عربی کی گہرائی و گیرائی اور مختلف تعبیرات و معانی کی تہ داری قبول کرنے کی صلاحیت پر نظر مرکوز کر کے اس راز کو پانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس ایک کتاب نے اسلام جیسی عالمی تہذیب کی صورت گری کیوں کر کی۔ اسلام کے عقائد، اعمال اور اداروں کی وضاحت کے لیے کتاب کے مولفین نے مشہور حدیث جبرئیلؑ کا انتخاب خاص طور پر کیا، اسلام، ایمان اور احسان دین کی وہ تین جہات ہیں جو مل کر اسلام کی ایک حقیقت واحدہ پیش کرتی ہیں، یہ اور اس قسم کے دوسرے مضامین پڑھنے کے لائق ہیں، بعض مقامات پر علوم اسلامیہ کے روایتی طالب علموں کو اجنبیت بھی محسوس ہو سکتی ہے، تاہم یہ یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اس کتاب کا مطالعہ اسلام سے واقفیت کی خواہش رکھنے والے ہر انسان کے لیے فائدہ مند ہے اور غالباً یہی خوبی ہے جس نے فاضل مترجم کو اس ترجمہ کے لیے آمادہ کیا، انہوں نے جس شگفتگی اور سلاست سے ترجمہ کیا ہے وہ ہر طرح تحسین و تبریک کا مستحق ہے، ایک جملہ بھی ایسا نہیں جس میں ترجمہ پن نظر آتا ہو، اقبال اکادمی کی بہترین مطبوعات میں یہ کتاب ہمیشہ نمایاں رہے گی، ہمارے سامنے دوسرا ایڈیشن ہے ایک سال میں دو ایڈیشنوں کی اشاعت سے کتاب کی مقبولیت ظاہر ہے۔

اسلام میں عفت و عصمت کا مقام: از مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۳۹۲، قیمت درج نہیں، پتہ: اسلامک بک فاؤنڈیشن ۱۷۸۱، حوض سوئی والان، نئی دہلی اور مراد آباد، دیوبند، لکھنؤ، بستی کے مشہور مکتبے۔

انسان کی تخلیق، احسن تقویم کا دلکش ترین نمونہ ہے لیکن یہ واحد شاہکار تخلیق ہے جس کے حسن میں اضافہ کے لیے پاکیزگی اخلاق کا نسخہ تجویز کیا گیا اور اسلام اور پیغمبر اسلامؐ نے قول و عمل سے یہ پیغام سارے انسانوں کو دیا کہ جسمانی اور روحانی تازگی و پاکیزگی کے لیے قلب و جوارح کو اخلاق سے آراستہ کرنا ضروری ہے، حیات کو جزو ایمان اور پاکی کو نصف ایمان کہنے میں یہ نکتہ مضمر ہے کہ فرد اور معاشرہ کو سکون و اطمینان کی بڑی دولت فکر و عمل کی طہارت و پاکیزگی ہی سے مل سکتی ہے، اسلام کے اس پیغام کو نظام عفت و عصمت سے تعبیر کیا گیا خصوصاً معاشرتی اقدار کی حفاظت اسی نظام سے ضمانت پاتی ہے، اسلام کے اس نظام کا پیغام ہر زمان و مکان کے لیے ہے لیکن عصر حاضر میں مکارم اخلاق سے انحراف نے جس طرح عالمی طور پر انسانی قدروں کی

شکست وریخت کا المیہ برپا کیا ہے اس نے اسلام کے اس نظام عفت کے تقاضوں کی معنویت اور ضرورت کے فطری مطالبہ کی اہمیت دوچند کردی ہے، اس موضوع پر اردو میں کتابیں اور مضامین بے شمار ہیں، قریب نصف صدی قبل مفتی ظفیر الدین مرحوم نے اسی موضوع پر ایک وقیع کتاب سپرد قلم کی تھی، اب موجودہ تقاضوں کے تحت عصری اسلوب میں اسی شان کی یہ کتاب سامنے آئی ہے، اس کے مصنف ابھی نوجوان و نوخیز ہیں لیکن انہوں نے آٹھ مفصل ابواب کے تحت عفت و عصمت کی حفاظت، ثمرات، اثرات، فحاشی، بدکرداری کی برائی اور نقصانات، پردہ، بے پردگی، نظام نکاح اور اسلام میں نکاح وزواج کی ذمہ داری، مغربی تہذیب کا سیل بے اماں وغیرہ موضوعات کا مکمل احاطہ جس طرح کیا ہے وہ ان کے مطالعہ اور فکر کا بہترین نمونہ ہے، قرآن وسنت کی ہر روشنی ان کی نظر میں رہی اور یہی اس کتاب کو پوری طرح روشن کرگئی، ان کا مقصد بھی ان کی فکر کی طرح بالکل واضح ہے کہ دنیا کے معاشرتی بحران کا حل یورپ کی عریاں اور حیا سوز تہذیب میں نہیں، اسلام کی باحیا اور عفت تعلیمات میں ہے، کتاب کا لہجہ اور اسلوب بھی بڑا شائستہ اور اثر انگیز ہے، یہ ہر گھر میں ہونی چاہیے۔

فکشن مطالعات، پس ساختیاتی تناظر: از پروفیسر شافع قدوائی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۲۲۹، قیمت ۲۵۰ روپے، پتہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس ۳۱۰۸، وکیل اسٹریٹ، کوچہ پنڈت لال کنواں دہلی-۶۔

اردو فکشن، ناول اور افسانوں کا تنقیدی مطالعہ، اردو ادب کی ایسی روایت ہے جس میں انقطاع کا مرحلہ غالباً کبھی نہیں آیا، یہ کتاب اسی روایت کی توسیع ہے جس میں بیدی، انتظار حسین، نیر مسعود، طارق چھتاری، سید محمد اشرف، غضنفر کی کاوشوں کا خاص طور پر تجزیہ کیا گیا ہے، وجہ امتیاز اگر کوئی چیز ہے تو اس کا موضوع اور منہج یعنی پس ساختیاتی تناظر، گذشتہ نصف دہائی میں اردو ادب میں نظریات کی جدت خصوصاً مغربی ادب کے جدید قضایا کی درآمد نے ہلچل ضرور پیدا کی، ان کی افادیت اور پھر مقبولیت کے بارے میں تنازعہ اور مباحثہ کا ماحول اپنی جگہ، لیکن جن نقادوں نے ان نظریات سے اردو دنیا کو روشناس کیا، ان کی نیت پر شبہ بہرحال جائز نہیں، مثلاً ساختیات کے متعلق کہا گیا کہ یہ تمام انسانی فلسفوں میں ارتباط کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہے، اشیاء کے نام یا معنی اس ساخت سے پیدا ہوتے ہیں جو نظروں سے اوجھل ہے، اس نظریہ کی افادیت یہ بتائی گئی کہ یہ ادبی مطالعہ کے ان اصولوں کی دریافت اور تعیین کی سعی ہے جو صرف انفرادی متون ہی میں نہیں ادبی متون کے باہمی رشتوں میں بھی کارفرما ہو، ظاہر ہے یہ فلسفہ ہر فلسفہ کی طرح سریع الفہم نہیں، خود اس کے قائلین کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ تجریدی تصور ہے اس لیے اس کی وضاحت آسان نہیں، مزید یہ کہ ساختیات سے اردو

کی مکمل شناسائی ابھی ہوئی بھی نہیں تھی کہ باری پس ساختیات کی آگئی اور معنی کی وحدت کی بجائے تفریقیت کی راہ کھل گئی، یعنی تصور تو اپنی جگہ رہا سمت ضرور بدل گئی، اس فلسفہ کی باریکی قاری کی عام نظر میں آنا تو مشکل ہی ہے خود اس نظریہ کو اپنانے والوں کے لیے بھی اس کے مشکل مقامات کو عبور کرنا آسان نہیں، اس کتاب کے نوجوان نقاد کا یہ کہنا شاید اسی کی علامت ہے کہ پس ساختیاتی قضایا کی رو سے تحریر علی الخصوص فکشن ایک ایسے کھیل کے مماثل ہے جو کبھی اپنے اصولوں اور حدود کو درخور اعتنا نہیں سمجھتا ہے، تاہم لائق مصنف کو ادب شناسی اور سخن سنجی کی نعمت چونکہ ورثہ میں ملی ہے اس لیے فلسفیانہ اصطلاحات کی گراں باری کے باوجود وہ آگہی کے نئے دریچوں کی روشنی میں فکشن کا مطالعہ کرنے میں واقعی اس طرح کامیاب ہیں کہ قاری، ناہمواریوں کے باوجود اس سفر میں ان کی رفاقت کو ترک کرنے پر تیار نہیں ہوتا، پہلا مضمون فکشن شعریات کی تشکیل اور گوپی چند نارنگ کے عنوان سے ہے اس میں نارنگ کے چند تنقیدی مضامین کا جائزہ ہے، اس میں لائق نقاد کے قلم کی بے ساختگی (بے ساختیت نہیں) اپنے ظہور کی بے تابی کا خوبصورت منظر پیش کرتی ہے جیسے یہ جملے کہ ”شب خونی جدیدیت کے زیر اثر جب آٹھویں دہائی میں استعاراتی و علامتی اظہار، سکہ رائج الوقت کی صورت اختیار کرگیا تھا تو نارنگ جن کا شمار جدیدیت کے نظریہ سازوں میں بھی ہوتا ہے اس امر پر اپنی مکمل بے اطمینانی کا احساس کرایا تھا کہ پیرایۂ اظہار کو ہی مقصود بالذات سمجھ لیا گیا ہے“، مطالعہ میں نسبتاً کم معروف نیر مسعود کے ذکر میں لکھا گیا کہ احساس فنا اور ناپائیداری اشیاء ان کے اردو افسانوں کا بنیادی عنصر ہے اور یہ کہ بیشتر سکہ بند ناقد نیر مسعود کے افسانوں کی تعیین قدر سے قاصر رہے۔ مضامین اور بھی ہیں اور سچ یہ ہے کہ ساختیاتی وغیرہ نظریات سے نامانوس ہونے کے باوجود اس تنقیدی مطالعہ میں لطف آیا لیکن ان کی تحریر کا اصل جوہر دواثر آخری مضمون میں نظر آیا، ترے خیال کی ایک کہکشاں بناتے ہیں، اس عنوان سے انہوں نے اپنی والدہ مرحومہ کی یادوں کی جو کہکشاں سجائی ہے وہ بے شبہ یادنگاری میں ہمیشہ یاد رکھے جانے کے لائق ہے، ان کی والدہ، مولانا دریابادی کی صاحبزادی اور اسلامی و مشرقی تہذیب و معاشرت کا بے مثل نمونہ تھیں، ان کی زندگی اوروں کے لیے بھی روشنی بخشنے کا سبب تھی لیکن ایک حساس بیٹے نے جو محسوس کیا وہ کسی اور کے حصے میں آ بھی نہیں سکتا، ”دوسروں کو بدلنے کی بجائے خود کو بدل لیا بالکل خاموشی سے کسی سے کوئی شکوہ نہیں، تلخی نہیں، راضی بہ رضا، نفس مطمئنہ کی تفسیر“ مضمون اور کتاب کا آخری جملہ ایسا ہے کہ ہر فلسفہ اس کے سامنے ہیچ ہے کہ ”دنیا میں لکھی جانے والی تمام تحریروں اور ان میں بیان کیے گئے تمام جذبوں علی الخصوص ایک بے نام اداسی کا بڑا گہرا تعلق امی کی یاد سے ہے“۔

ع-ص

رسید مطبوعات جدیدہ

۱-ایران کی چند اہم تفسیریں (جلد دوم): ڈاکٹر کبیر احمد جائسی،قرطاس، پوسٹ بکس نمبر ۸۴۵۳،
قیمت ۲۰۰ روپے۔

۲-روضۃ الاولیائے بیجاپور (ہو بہو نسخہ): مترجم سید شاہ سیف اللہ صاحب قادری، آمرین بک
ایجنسی، جمال پور احمد آباد، ۳۸۰۰۰۱، قیمت درج نہیں۔

۳-انتخاب اقتباسات قرآن مجید: مرتبہ عبدالرحیم قدوائی، دینیات فیکلٹی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ،
قیمت درج نہیں۔

۴-رموز تحقیق: ڈاکٹر مسعود جامی، جامعہ نگر کڈور، رانچی، ۸۳۴۰۰۱، بک ایمپوریم، سبزی باغ، پٹنہ،
قیمت ۱۳۰ روپے۔

۵-تذکرہ شعرائے سہسوان: مرتبہ حنیف نقوی، ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ علی گڑھ، ۲۰۲۰۰۲،
قیمت ۲۰۰ روپے۔

۶-پروفیسر احمد سجاد، احوال و آثار: ڈاکٹر مظفر، تاج بک ڈپو، ملین روڈ رانچی، بک ایمپوریم، سبزی باغ،
پٹنہ، قیمت ۳۰۰ روپے۔

۷-پریم چند کے سماجی نظریات (ناولوں کی روشنی میں): ڈاکٹر امین احسن، ایجوکیشنل پبلشنگ
ہاؤس، لال کنواں، دہلی، قیمت ۲۲۵ روپے۔

۸-لمحوں کا کارواں: ڈاکٹر محمد محسن: نرالی دنیا پبلی کیشنز A-۳۵۸ بازار دہلی گیٹ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲،
قیمت ۳۰۰ روپے۔

۹-دلت مسئلہ جڑ میں کون: انتظار نعیم، ای-۲۰، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵، قیمت ۱۴۰ روپے۔

۱۰-فکر انگیز (نظموں کا مجموعہ): سید عبدالباری، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، لال کنواں، دہلی،
قیمت ۱۲۵ روپے۔

۱۱-جلتا ہوا جنگل (تین ناولٹ کا مجموعہ): احمد یوسف، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، قیمت ۱۰۰ روپے۔

۱۲-میزان آگہی: ڈاکٹر ایم-نسیم اعظمی، عدیلہ پبلی کیشنز، ڈومن پورہ (کساری) مئوناتھ بھنجن، یوپی
۲۷۵۱۰۱، قیمت ۲۰۰ روپے۔